

والدین کی نافرمانی کا انجام

لرزہ خیز حقائق اور عبرت ناک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

والدین کی نافرمانی کا انجام

لرزہ خیز حقائق اور عبرت ناک واقعات کے ساتھ

تالیف

ابراهیم بن عبداللہ الحازمی

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ مولانا رحمت اللہ شاکر حفظہ اللہ

مدرس جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ

نظرثانی

حافظ شاہد محمود

فاضل مدینہ یونیورسٹی

مکتبہ بیت السلام

الریاض ، لاهور

کتاب وسنت کی اشاعت کا معیاری ادارہ

اشاعت .... اگست 2015ء

مکتبہ بیت السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا معیاری ادارہ
Tel: +966114381155 - +966114381122 Fax: +966114385991
Mob: +966542666646,+966566661236,+966532666640
Email: bait.us.salam1@gmail.com
Fb:Baitussalam book store
رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
Tel: 042-37361371
Mob: 0321-9350001
0320-6666123

بسم الله الرحمن الرحيم

والدین کی نافرمانی کا انجام

لرزہ خیز حقائق اور عبرت ناک واقعات کے ساتھ

فہرست

عرضِ ناشر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقا اور حفاظت اور دینوی و اُخروی کے پیشِ نظر ہمارے لیے ہر قسم کے رشتے اور تعلق کے حقوق و فرائض بیان فرمائے ہیں، جن کی بجا آوری کے ذریعے سے ہم اپنی زندگی کو سکون و اطمینان والی بنا سکتے ہیں اور معاشرتی محبت و مودّت کو پھیلا سکتے ہیں۔ ان رشتوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور اہم تعلق والدین کا ہے، جن کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے احسان کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا خصوصی حکم فرمایا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ [الإسراء: 23-24]

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ ہی جائیں تو ان دونوں

کو ''اُف'' مت کہہ اور نہ انھیں جھڑک اور ان سے بہت کرم والی بات کہہ۔ اور رحم دلی سے ان کے لیے تواضع کا بازو جھکا دے اور کہہ اے میرے رب! ان دونوں پر رحم کر جیسے انھوں نے چھوٹا ہونے کی حالت میں مجھے پالا۔''

عصرِ حاضر میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اپنے بچوں کی اصلاح کے لیے ان کے سامنے والدین کے حقوق کو اُجاگر کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انھیں ادا کرنے کی تلقین کی جائے، تاکہ مسلم معاشرے کی امتیازی صفات کو قائم رکھا جا سکے، جس میں ہر چھوٹا بڑے اور بڑا چھوٹے کے حقوق و فرائض کو پورا کرتا نظر آتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں کتاب و سنت اور حقیقی واقعات کی روشنی میں والدین کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی نافرمانی پر مترتب ہونے والے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو کتاب کے مولف، مترجم اور ناشر کے لیے اخروی نجات کا ذریعہ اور بلندیٔ درجات کا باعث بنائے۔ آمین یا رب العالمین

ابو میمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام، ریاض۔ لاہور

نصیحت

اس نصیحت کا مخاطب ہر وہ انسان ہے، جو اپنے اوپر والدین کے واجبی حقوق کو بھول چکا ہے۔ حسن سلوک کے بجائے نافرمانی اس کا شیوہ بن چکی ہے، برالوالدین ایک ایسا قرض ہے۔ جس کو ادا کرنا ہر صورت ضروری ہے۔ جنت کے متلاشی تجھے پتا ہونا چاہیے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے تیری والدہ کے قدموں میں رکھی ہے۔ حمل کے نو ماہ نو سال کے برابر معلوم ہوتے ہیں اور ولادت کے وقت آنے والی تکلیف تو ویسے ہی بیان سے باہر ہے، پھر وہ دودھ پلانے کی خدمت انجام دیتی رہی اور سارے آرام تیرے سکون وقرار پر قربان کر دیے۔

وہ اپنے دائیں ہاتھ سے تیرا پاخانہ و پیشاب صاف کرتی رہی اور خود بھوکی رہتی تجھے کھلاتی۔ اپنی گود سے تیرے لیے پنگھوڑے کا کام لیتی رہی، تیری ذرا سی تکلیف اس کے لیے جان لیوا تھی، تیری صحت وتندرستی کے لیے سارا مال و متاع ڈاکٹروں کو دینے کے لیے تیار رہتی تھی۔ اگر اسے دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دیا جائے کہ تیری جان بچ جائے اور وہ فوت ہو جائے تو اپنی جان کی پروا کیے بغیر تیری عافیت کو ترجیح دے گی، پھر بھی تو اس (بے چاری) سے بُرا سلوک کرتا ہے؟

وہ دن رات تیری عافیت اور بلندی کی دعائیں کرتی ہے، لیکن جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر تیری محتاج ہو جائے تو وہ تیرے نزدیک سب سے حقیر بن

جاتی ہے۔ وہ بھوکی رہ کر تیرا پیٹ بھرتی تھی، تجھے خوب سیر کر کے خود صبر پہ گزارا کیا کرتی تھی۔ تیری حالت یہ ہے کہ تو بیوی بچوں کو اس پر ترجیح دیتا ہے اور اس کے بے شمار احسانات کو سرے سے بھول جاتا ہے، اس کی خدمت جسے تو مشکل سمجھتا ہے، وہ بڑی ہی آسان ہے اس کی زندگی تجھے بہت لمبی معلوم ہوتی ہے، حالانکہ وہ بالکل مختصر ہے، تو اسے بے یار و مددگار چھوڑ رہا ہے، حالانکہ تیرے علاوہ اس کا کوئی معاون نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو اُف کہنے کی بھی اجازت نہیں دی ہے۔ اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا انداز یہ ہے کہ تیرے بیٹے تیری نافرمانی کریں گے اور آخرت میں تو رب العالمین کی رحمت سے محروم رہے گا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈانٹ بھری آواز میں یہ پیغام آئے گا:

> ”یہ تیرے ہی کیے ہوئے اعمال کا بدلہ ہے، میں (اللہ تعالیٰ) تو کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔“

والدین کی نافرمانی کی صورتیں

① اپنے کسی بھی نوعیت کے قول وعمل سے والدین کو رلانا اور پریشان کرنا۔
② بلند آواز اور سخت قسم کی باتوں کے ذریعے سے والدین کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا۔
③ والدین کے سامنے اُف کہنا، پریشانی اور اکتاہٹ کا اظہار کرنا بھی نافرمانی میں شامل ہے۔
④ چہرے پر بل ڈالنا اور ان کے سامنے ترش روی اختیار کرنا۔
⑤ والدین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا۔
⑥ والدین پر حکم چلانا۔
⑦ والدہ کا تیار کیا ہوا کھانا پسند نہ کرنا۔
⑧ گھر کے کاموں میں تعاون نہ کرنا۔
⑨ والدین کی باتوں پر منہ چڑانا۔
⑩ والدین کے پاس آنے سے پہلے اجازت نہ لینا۔
⑪ والدین کی رائے کو اہمیت نہ دینا۔
⑫ والدین کو خواہ مخواہ مشکلات میں ڈالنا۔
⑬ لوگوں کے سامنے والدین کے عیوب ونقائص بیان کرنا اور ان کی مذمت کرنا۔
⑭ والدین کو گالیاں دینا اور ان پر لعنت بھیجنا۔

⑮ والدین کی اچھی شہرت کو خراب کرنا۔

⑯ بے جا مطالبات کا بوجھ ڈالنا۔

⑰ بیوی کو والدین پر مقدم سمجھنا۔

⑱ والدین کی محتاجی اور بڑھاپے کے وقت ساتھ نہ دینا۔

⑲ والدین سے براءت کا اظہار کرنا اور ان کی طرف نسبت کو باعثِ عار سمجھنا۔

⑳ والدین پر ظلم کرنا اور ان کو مارنا پیٹنا۔

㉑ جب وہ کمزور اور قابلِ نگہداشت ہوں تو ان کو چھوڑ جانا۔

㉒ بعض گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے حسنِ سلوک اور خیر خواہی نہ کرنا۔

㉓ والدین کے ساتھ بخل سے پیش آنا۔

㉔ والدین کو احسانات جتلانا۔

㉕ والدین سے چوری چھپے کوئی کام کرنا۔

㉖ والدین کے سامنے پریشانی کا اظہار کرنا اور رو کر دکھانا۔

㉗ والدین کی موت کی تمنا کرنا۔

㉘ والدین سے جان چھڑانے کے لیے قتل کر دینا۔[1]

اللہ تعالیٰ اپنی ناراضی اور عذاب سے ہمیں محفوظ فرمائے۔

---

[1] دیکھیں: الإعلام ببر الوالدین [ص: 35-41] کتاب بر الوالدین للحناوي [ص: 143] قرة العینین في فضائل بر الوالدین [ص: 53-58] عقوق الوالدین أسبابه ومظاهره [ص: 14-20] وبالوالدین إحسانا [ص: 44-48] حق لا ینسیٰ [ص: 28-33]

والدین کی نافرمانی کے بُرے نتائج

① والدین کا نافرمان جنت میں نہیں جا سکتا:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ: الْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ»[1]

''تین (قسم کے) آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے، ان میں سے ایک والدین کا نافرمان ہے۔''

اسی طرح ایک اور صحیح حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَالْمُدْمِنُ عَلَى الْخَمْرِ وَالْمَنَّانُ بِمَا أَعْطٰى»[2]

''احسان جتلانے والا، والدین کا نافرمان اور ہمیشہ شراب کے نشے میں رہنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔''

② نافرمان کا کوئی عمل قبول نہیں:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«ثَلَاثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا عَاقٌّ وَمَنَّانٌ وَمُكَذِّبٌ بِالْقَدْرِ»[3]

---

① سنن النسائي، كتاب الزكاة، باب المنان بما أعطیٰ، رقم الحديث [2562] یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہے۔

② سنن النسائي، كتاب الزكاة، باب المنان بما أعطیٰ، رقم الحديث [2562]

③ یہ روایت ابن ابی عاصم کی کتاب ''السنة'' میں حسن سند کے ساتھ موجود ہے اور یہ ←

”تین قسموں کے لوگوں کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا ہے: ① والدین کی نافرمانی کرنے والا۔ ② احسان جتلانے والا۔ ③ تقدیر کا انکار کرنے والا۔“

③ والدین کا نافرمان لعنتی ہے:

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَّعَنَ وَالِدَيْهِ»[1]

”والدین کو گالی دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“

④ والدین کے نافرمان کو بہت جلد سزا مل جاتی ہے:

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَع مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ»[2]

”تمام گناہوں میں سب سے جلد جس گناہ کی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے، وہ سرکشی اور قطع رحمی ہے اور آخرت میں بھی اسے سزا ملے گی۔“

⑤ نافرمان کی عمر اور رزق میں برکت نہیں ہوتی۔

⑥ والدین کی نافرمانی کرنے والوں کی اولاد بھی نافرمان ہی ہوتی ہے۔

← روایت ”صحیح الجامع الصغیر“ [3065] میں بھی موجود ہے۔

[1] صحيح مسلم، كتاب الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالىٰ، رقم الحديث [5125]

[2] سنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب في النهي عن البغي، رقم الحديث [4904] یہ حدیث امام بخاری کی کتاب ”الأدب المفرد“ طبرانی اور مستدرک حاکم میں موجود ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی حسن سند سے موجود ہے۔

⑦ والدین کے نافرمان کو سخت عذاب کی وعید ہے۔

⑧ والدین کے نافرمان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

⑨ نافرمان کے خلاف والدین بعض دفعہ بد دعا کر دیتے ہیں، جو اس کی دنیا و آخرت کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

⑩ نافرمان کا انجام بہت ہی برا اور پریشان کن ہوتا ہے، جیسا کہ اس کتاب میں مذکور ہے۔

والدین کی نافرمانی حرام ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ﴾

[بني إسرائيل: 23]

”والدین میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہو۔“

اسی آیت کی تفسیر میں امام بغوی رحمہ اللہ ”شرح السنة“ میں رقم طراز ہیں:

”اللہ تعالیٰ کی اس سے مراد یہ ہے کہ ادنا سے اونا تکلیف والی بات کہنا بھی درست نہیں ہے۔ ”تُف“ ناخنوں کی میل کو کہتے ہیں اور ہر پریشان کرنے والی چیز کو اُف کہتے ہیں۔“

مجاہد فرماتے ہیں:

”جیسے وہ دونوں تیری صفائی کا خیال کرتے تھے تو بھی خیال کر۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ [بني إسرائيل: 24]

”ان کے سامنے اپنے پہلو کو نرمی وشفقت سے جھکا دو۔“

عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ (جو بہت بڑے تابعی ہیں) وہ بیان فرماتے ہیں:

”والدین کی عظمت کا یہ تقاضا ہے کہ ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔“

عروہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

”جو چیز والدین پسند کریں، انھیں فوراً دے دی جائے۔“

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلَاثًا؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ. وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ: أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ. قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ »[1]

”تمھیں بڑے بڑے گناہوں کے متعلق باخبر کروں؟ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور یہ بات آپ ﷺ نے کئی بار دہرائی۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ کاش! اب آپ خاموش ہو جائیں۔“

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

« اَلْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ »[2]

”بڑے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، ناجائز قتل اور جھوٹی قسم۔“

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2654]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [6298]

یمین غموس:

یہ اس قسم کو کہتے ہیں، جو جھوٹی قسم انسان جان بوجھ کر کھاتا ہے، کیونکہ یہ قسم انسان کو گناہ یا آگ میں داخل کر دیتی ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ»[1]

''اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (تعجب) سے پوچھا: حضور کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ فرمایا: ہاں، یہ دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے، وہ اس کے باپ کو، یہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعَ وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ»[2]

''اللہ تعالیٰ نے والدین کی نافرمانی، بچیوں کو زندہ درگور کرنے، ظلم و زیادتی ناجائز مطالبات کرنے، بے جا سوال اور مال کو ضائع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔''

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ: الْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ، وَالْمُدْمِنُ عَلَى

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث [130]

(2) صحيح البخاري، رقم الحديث [2408]

الْخَمْرِ، وَالْمَنَّانُ بِمَا أَعْطَی »[1]

''احسان جتلانے والا، والدین کا نافرمان اور شراب کے نشے میں رہنے والا جنت میں نہیں جا سکتا۔''

مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ والدین کی نافرمانی سے مراد ان کو تکلیف پہنچانا، پریشان کرنا اور حسنِ سلوک نہ کرنا ہے اور یہ بہت ہی کبیرہ گناہ ہے، جو انسان کو جنت کے راستے سے ہٹا کر جہنم کے راستے پر چلا دیتا ہے۔ مگر جو کوئی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے والوں کی اولاد فرمانبردار ہوا کرتی ہے اور نافرمانوں کی اولاد نافرمان ہی ہوتی ہے۔ زندگی کچھ نقد اور کچھ ادھار کا نام ہے، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے!!

ایک ضعیف سند کے ساتھ مروی روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

« عُفُّوا تَعِفُّوا نِسَاؤُكُم، وَبَرُّوا آبَاءَكُم تَبَرَّكُم أَبْنَاؤُكُم »[2]

''تم پاک دامنی اختیار کرو، تمھاری عورتیں نیک ہوں گی، تم اپنے والدین سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ، تمھارے بیٹے تم سے اچھا سلوک کریں گے۔''

امام ثابت البنانی تابعی رحمہ اللہ کا قول ہے:

''ایک بیٹا باپ کو مار رہا تھا، لوگوں نے بڑے تعجب سے کہا: ایسا کیوں ہے؟ باپ کہنے لگا: یہ میرے کیے کی سزا مجھے مل رہی ہے، میں بھی

[1] سنن النسائي، رقم الحديث [2515]

[2] ضعيف الجامع الصغير للألباني (٤/ ٣٢ ـ ٣٣)

اپنے باپ کو اسی طرح ہی مارا کرتا تھا۔‘‘

ہمارا موجودہ دور جس میں خیر و بھلائی بہت کم اور شر و فساد بہت زیادہ ہے، جس میں والدین کی نافرمانی پائی جا رہی ہے، معاملہ حد سے تجاوز کرتا جا رہا ہے اور نوبت یہاں پہنچ چکی ہے کہ اہلِ مغرب میں بیٹا باپ کا قاتل ہے تو باپ بیٹے کا، ماں بیٹی کو اور بیٹی ماں کو قتل کر رہی ہے۔ یہ سب بد اخلاقی اور تربیت کی کمی کا نتیجہ ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے اسلامی ممالک میں بھی ہماری نوجوان نسل نے کافروں والا طریقہ اپنا لیا ہے، نافرمانی عام ہوتی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نیکی نہیں ہو سکتی اور نہ گناہ ہی سے بچا جا سکتا ہے، وہی ہمارا حامی و ناصر ہے۔

اولاد کے لیے والدین کی قربانیاں

والدین کے اولاد پر بڑے احسان ہیں، جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہر انسان کو اپنا بچپن اور کمزوری والا وقت یاد کرنا چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ [بني إسرائيل: 24]

''اے اللہ ان دونوں (والدین) پر رحم فرما، جس طرح انھوں نے بچپن میں میری تربیت کی۔''

ماں نے نو (۹) مہینے تک بچہ پیٹ میں رکھا، کمزوری میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا، بچے کا بڑھنا اور بڑا ہونا ماں کی تکلیف میں اضافے کا سبب ہے، بچے کی پیدائش کے وقت ماں اپنی آنکھوں سے موت کا منظر دیکھتی ہے اور بچے کو دیکھ کر سب تکالیف بھول جاتی ہے اور ساری امیدیں بچے سے وابستہ کیے رکھتی اور اپنی زندگی کی رونق بچے ہی کو قرار دیتی ہے۔

یہی ماں ہے جو بچے کی خدمت میں دن رات ایک کر دیتی ہے۔ ماں کی چھاتی سے صحت افزا دودھ بچے کی خوراک بنتا ہے۔ بچے کا گھر ماں کی گود ہوتا ہے، اس کی سواری ماں کے ہاتھ، سینہ اور پشت ہوتی ہے۔

وہ بچے کا ہر وقت خیال کرتی ہے، خود بھوکی رہ کر بچے کو کھلاتی ہے، بچے کی نیند پر اپنی نیند قربان کر دیتی ہے، یہ بچے پر انتہائی مہربان اور رحم دل ہوتی ہے۔

ماں نظر نہ آئے تو بچہ پکارنا شروع کر دیتا ہے اور اگر وہ اعراض کرے تو

بچہ سرگوشی کرنے لگتا ہے، تکلیف کے وقت بچہ ماں ہی کو آواز دیتا ہے اور ہر قسم کی خیر ماں کے ہاں پاتا ہے۔ جب ماں بچے کو سینے سے لگاتی ہے اور شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ہر آفت اور مصیبت سے محفوظ سمجھتا ہے۔

بچہ باپ کے لیے بزدلی اور بخل کا سبب ہوتا ہے۔ باپ دن رات محنت کر کے ہر قسم کی پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، دور دراز کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور بہت سے خطرات سے گزرتا ہوا بچے کی بہترین پرورش کے لیے روزی تلاش کرتا ہے اور تربیت کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ باپ بچے کو دیکھتے ہی خوش ہو جاتا ہے۔ باپ گھر سے باہر جانے کا ارادہ کرے تو بچہ چمٹ جاتا ہے۔ گھر میں باپ سے کھیلتا ہے، کبھی گود میں اور کبھی سینے پر لیٹ جاتا ہے، اگر کوئی مسئلہ بن جائے تو کہتا ہے کہ میرے ابو تجھے ماریں گے، میں ابو کو بتاؤں گا۔

جب والدین کا بچوں کے ساتھ یہ رویہ ہے تو پھر والدین سے حسنِ سلوک کرنا ان پر فرض ہو جاتا ہے، والدین پر سختی کرنا اور ڈانٹنا کسی صورت بھی جائز نہیں ہے ایسا اچھا برتاؤ کرنے والا یوں سمجھتا ہے کہ وہ والدین کا محسن ہے۔

والدین کے ساتھ نافرمانی اور سختی والا انداز اپنانے والے کے لیے بہت بڑی وعید، ہلاکت اور بربادی ہے۔ وہ تو اولاد سے صلہ رحمی اور حسنِ سلوک کی امیدیں لگائے ہوتے ہیں، یہ بدبخت اپنی کمزوری اور بچپن کو بھول کر جوانی پہ اترانا شروع کر دیتا ہے۔ تعلیم و ثقافت کے چکر میں پڑ کر اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھ کر والدین سے برا سلوک، بدگوئی اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو یہ والدین کو ہاتھوں اور پاؤں کے ذریعے سے مارنے لگ جاتا ہے۔ وہ دونوں اس کی زندگی کی دعائیں کرتے ہیں اور یہ ان کے مرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس کے

غلط رویے سے تنگ آ کر والدین یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کاش وہ بے اولاد ہی ہوتے، ایسی جانب دیکھ کر اخلاق و مروت ماتم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

رسوائے زمانہ! جب والدین تیرے محتاج ہوئے تو نے ان کو حقیر سمجھ لیا، لوگوں سے تو حسنِ سلوک کرتا ہے اور ان کو بھول جاتا ہے، ان کی خدمت کو بوجھ سمجھتا ہے اور ان کی زندگی کو عذاب خیال کرتا ہے۔ یہ بات تجھے خوب معلوم ہونی چاہیے کہ اس کی اولاد ہی عزت کرتی ہے، جو اپنے والدین کی عزت کرتا ہے اور نافرمان کی کبھی عزت نہیں ہوتی، تیری اولاد بھی تیرا یہی حشر کرنے والی ہے، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔[1]

[1] دیکھیں: توجیهات وذکری [ص: 84-84] للدکتور صالح بن عبداللہ بن حمید.

والدین کے اولاد پر احسانات

علامہ طرطوشی فرماتے ہیں:

والدین بچے کے دنیا میں آنے کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ استقرارِ حمل سے پیدائش تک کے تمام مراحل انتہائی احتیاط سے گزارے جاتے ہیں، ماں ایسی خوراک استعمال کرتی ہے جو حمل کو نقصان نہ دے اور بچے کی نشوونما کا ذریعہ بنے، اس حمل کی خاطر ماں بہت سی خواہشات اور لذیز قسم کے کھانے اور بھاری کام وغیرہ سب چھوڑ دیتی ہے۔

بچے کی پیدائش سے اپنا آپ سنبھالنے تک ماں بچے کے لیے مفید خوراک ہی استعمال کرتی ہے، خواہ وہ اس کے مزاج کے بالکل منافی ہو۔ وہ سہولیاتِ زندگی اور عیش و آرام اس بچے کی خاطر قربان کر دیتی ہے۔

پھر والدین بچے کی تعلیم و تربیت کرنے اور اس کو پریشانیوں سے محفوظ رکھنے میں دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ اگر بچے کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا جائے تو درندے اسے کھا جائیں۔

والدین بچے کے شعور کی عمر تک اس کی ہر چاہت پوری کرتے اور اس کے رونے پر پریشان ہو جاتے ہیں، اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کا دفاع ضرور کرتے ہیں، والدین کے اتنے احسانات ہیں، کوئی بھی ان کا بدلہ نہیں دے سکتا۔

جب یہ عنفوانِ شباب کو پہنچ جاتا ہے تو والدین امیدیں لگائے ہوتے

ہیں، یہ ان کی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ قطع رحمی، برا سلوک، سخت رویہ، نفرت اور بخیلی اس کا شیوہ بن جاتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے یہ تہیا کر رکھا ہے کہ ہر نیکی کا بدلہ برائی ہی سے دینا ہے۔ یہ بڑا ہی عجیب اندازِ جزا ہے۔ زائد دینا تو دور کی بات ہے، برابری کے طور پر حسنِ سلوک تو ان کا حق ہے، حالانکہ پندرہ سال کی عمر تک وہ بچے کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں، اس کے پاخانہ و پیشاب کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہیں، اب ان کی بڑھاپے کی عمر ہے جو بچوں کی عمر کے بالکل مشابہ ہے، جس میں جسم کمزور اور عقل کام کرنا چھوڑ جاتی ہے، اس میں بچے کی ذمے داری ہے کہ جس طرح اس کمزور و ناتواں کو انھوں نے سنبھالا، یہ بھی ویسے ہی ان کا خیال کرے۔ کم از کم پندرہ سال تو اسے بھی ان کی خدمت اور صفائی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایسا کرنے والے کے متعلق یہ کہنا تو درست ہے کہ اس نے بدلہ چکا دیا ہے، لیکن زائد کوئی احسان نہیں ہے، حالانکہ والدین نے ساری خدمت انتہائی خندہ پیشانی سے کی تھی، جب کہ اس میں ایسی بات نہیں۔ وہ تو دن رات اس کی صحت و زندگی کی دعاؤں میں مصروف رہتے تھے اور یہ بہت جلد اُکتا جاتا اور جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے جیسے یہ سردار اور وہ غلام ہیں!!

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ [بني إسرائيل: 24]

''اے اللہ ان دونوں (والدین) پر رحم فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں میری تربیت کی۔''[1]

[1] دیکھیں: بر الوالدين للطرطوشي [ص: 102-105]

علقمہ کا واقعہ

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں علقمہ نامی ایک نوجوان تھا، جو انتہائی عبادت گزار اور صوم و صلات کی پابندی کرنے والا تھا۔ وہ بیمار پڑ گیا تو اس کی بیوی نے نبی کریم ﷺ کو پیغام بھیجا کہ میرا خاوند موت و حیات کی کشمکش میں ہے، آپ ﷺ نے سیدنا عمار بن یاسر، صہیب رومی اور بلال رضی اللہ عنہم کو بھیج دیا، تاکہ وہ اسے کلمہ پڑھنے کی تلقین کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ وہ زبان سے کلمہ ادا ہی نہیں کر سکتا۔ نبی کریم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پوچھا: اس کے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ صحابہ نے عرض کی: حضور ﷺ! اس کی بوڑھی والدہ موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے پاس آ جائے تو ٹھیک، ورنہ میں اس کے پاس چلا جاؤں گا۔

چناں چہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر آ رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: مجھے سچی بات بتاؤ کہ علقمہ کا آپ کے ساتھ رویہ کیسا ہے؟ اس نے عرض کی: حضور نمازیں کثرت سے پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور صدقہ بھی بہت زیادہ کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ عرض کی: حضور ﷺ! میں اس پر ناراض ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے ناراضی کی وجہ دریافت فرمائی، وہ عرض کرنے لگی، حضور ﷺ! وہ اپنی بیوی کو اہمیت دیتا اور میری نافرمانی کرتا تھا،

آپ ﷺ نے فرمایا: اسی وجہ سے اس کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہو رہا۔

آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کرو۔ اس عورت نے عرض کی: حضور ﷺ! آپ اس کا کیا کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کے سامنے آپ کے بیٹے کو آگ میں جلا دوں گا۔ عرض کی: حضور ﷺ! میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جہنم کا عذاب تو اس سے بہت زیادہ سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اگر آپ کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کو معاف کر دے تو تو بھی اس پر راضی ہو جا، ورنہ اس کی نماز، روزہ اور صدقہ اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ ماں فوراً بولی: حضور ﷺ! میں اللہ، فرشتوں اور یہاں پر موجود تمام مومنوں کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں نے علقمہ کو دل سے معاف کر دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جاؤ دیکھو کیا علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری ہو چکا ہے؟ شاید علقمہ کی ماں نے مجھ سے حیا کرتے ہوئے دل کی بات کے خلاف کلام کیا ہو، یعنی دل سے اسے معاف نہ کیا ہو۔ بلال رضی اللہ عنہ گئے، انھوں نے گھر کے اندر سے علقمہ رضی اللہ عنہ کی آواز سنی، وہ کہہ رہے تھے: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" (اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے) بلال رضی اللہ عنہ گھر کے اندر داخل ہوئے اور وہاں پر موجود لوگوں کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ ام علقمہ کی ناراضی نے اس کی زبان کو کلمۂ شہادت پڑھنے سے روک رکھا تھا۔ اب اس کے راضی ہونے سے اس کی زبان کلمہ حق کے ساتھ چل پڑی۔ اسی دن علقمہ کو موت آ گئی۔ نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے فرمایا: علقمہ کو غسل دو، کفن پہناؤ آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور دفن میں شریک ہوئے۔

منازل بن لاحق کی نافرمانی سے توبہ

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں رات کے اندھیرے میں اپنے والدِ محترم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ لوگ سو چکے تھے اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اچانک میرے والدِ محترم کو ایک غم زدہ انسان کی آواز سنائی دی، جو حسرت بھری آواز میں اپنے رب سے اس طرح محوِ گفتگو تھا:

یا اللہ! رات کے اندھیروں میں تو ہی مجبور و لاچار کی دعا کو سنتا ہے۔
اے تکلیف اور بیماری کی وجہ سے آنے والی آزمائش کو دور کرنے والے۔
اللہ! بیت اللہ کے تمام مہمان سو چکے ہیں۔
لیکن اللہ! تو حی قیوم ہے تجھے تو نیند نہیں آتی۔
اللہ! اپنے فضلِ خاص سے میرے گناہ معاف فرما دے۔
ساری مخلوق حرم میں تجھ ہی سے مانگتی ہے۔
اگر تیری معافی کے حق دار اپنے اوپر زیادتی کر لینے والے نہیں ہیں۔
تو پھر تیرے علاوہ ان گناہ گاروں پر رحم و کرم کی بارش کون کرے گا؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: بیٹا! جاؤ اس آدمی کو میرے پاس لے کر آؤ، میں اسے تلاش کرتا ہوا مقامِ ابراہیم پر پہنچا تو وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی علی رضی اللہ عنہ تجھے بلا رہے ہیں، اس نے نماز مختصر کی

اور میرے ساتھ چل دیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں عربی ہوں۔ پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ جواب دیا میرا نام منازل بن لاحق ہے۔ پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگا: گناہوں میں ڈوبے ہوئے انسان کا قصہ کیا ہوسکتا ہے؟ علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: بات ذرا کھول کر بیان کرو، اس نے تفصیل بتانا شروع کی۔

میں لہو ولعب کا گرویدہ ایک نوجوان تھا، اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا تھا، میرا والد مجھے وعظ ونصیحت کرتا اور کہتا: بیٹے! جوانی کی حرکتوں اور غلطیوں سے باز آجاؤ، ورنہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے اور ظالموں کو اس سے ضرور دوچار ہونا پڑتا ہے۔ میرا والد وعظ ونصیحت میں ذرا سختی کرتا تو میں اتنی ہی سختی سے اسے مارا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھے نصیحت کی تو میں نے اسے خوب پیٹا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ بیت اللہ جا کر پردے اور غلاف کے ساتھ چمٹ کر میرے خلاف بددعا کرے گا، چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا، غلاف پکڑا اور بددعا کرنے لگا۔

یا اللہ! حاجی تیرے دربار میں دور ونزدیک سے جمع ہو چکے ہیں۔

اللہ! میں تیرے دربار میں حاضر ہوں، تو واحد اور صمد ہے، تجھ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا ہے، یہ میرا بیٹا منازل ہے جو مسلسل نافرمانی کیے جا رہا ہے، اللہ! تو رحمٰن ورحیم ہے، اس لیے میرا حق مجھے ملنا چاہیے، اللہ اس کے ایک بازو کو فالج ہو جائے، اللہ تو پاک ہے تیری کوئی اولاد نہیں ہے۔

منازل نے قسم کھا کر کہا کہ ابھی میرے والد کی دعا مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مجھے فالج ہو گیا۔ پھر اس نے اپنا خشک اور فالج زدہ ہاتھ علی رضی اللہ عنہ کو نکال کر دکھایا۔

باپ، بیٹے اور پوتے میں نافرمانی کی وراثت

اولاد کا نافرمان ہو جانا والدین کے لیے دنیا کی تمام مصیبتوں اور پریشانیوں سے بڑی پریشانی اور مصیبت ہے، جس کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔

آج کی اس مجلس میں ہم آپ کے سامنے ایک تاریخی واقعہ رکھنا چاہتے ہیں، جو بنو عباس اور بنو امیہ کی دو خلافتوں کے زمانے کے ایک معروف و مشہور مخضرم شاعر کا ہے، جس نے نافرمانی کی ابتدا کرتے ہوئے اپنے باپ پر ظلم و زیادتی کی۔ اس کے نتیجے میں اس کا بیٹا اس کا نافرمان بنا اور یہ سلسلہ تیسری نسل تک پہنچا کہ اس کا پوتا اپنے والد کا نافرمان بنا، اس نافرمانی کا انداز کچھ اس طرح تھا کہ ہر بعد میں آنے والا پہلے والے سے زیادہ ظلم و زیادتی کرتا، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کے مصداق ہر ایک اپنے کیے کا صلہ وصول کرتا رہا۔

اچھے اخلاق کا یہ تقاضا ہے کہ دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا، قریبی رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا؛ ہر انسان پر فرض ہے اور شرافت بھی یہی تقاضا کرتی ہے۔ معاشرے کا ہر فرد ان تمام چیزوں کو جانتا اور مانتا بھی ہے۔ والدین کا حق سب سے زیادہ ہے۔ اولاد کو ان سے بہت زیادہ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

آج ہم جس شاعر کا تذکرہ کرنے جا رہے ہیں، اس کا نام عبداللہ بن محمد

ہے اور وہ ابن الخیاط کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ یہ قریش کا آزاد کردہ غلام تھا۔ یہ بلا کا ذہین، چالاک اور زبان دراز تھا۔ یہ اس دور میں تھا، جب خلافت اموی آخری سانس لے رہی تھی اور خلافت بنو عباس کا آغاز ہو رہا تھا۔

ابن خیاط نامی شاعر کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام یونس تھا۔ یونس بھی اپنے باپ کی طرح اشعار میں لوگوں کی مذمت و توہین بے خوف و خطر کیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ ابن خیاط اپنے بیٹے یونس کے رویے سے تنگ آ کر اشعار کی صورت میں اس کی مذمت کرنے لگا جس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بیٹے یونس (تیرے رویے) پر میرا دل جل رہا ہے اور میری آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہیں، تو مسلسل نافرمانی کرتا جا رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاد کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ ان (والدین) کے ساتھ انتہائی شفقت و نرمی والا انداز اختیار کریں، انھیں اُف تک نہ کہیں، جب کہ تیرا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ تجھے اس بات سے ڈر جانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے جو عذاب پر مقرر فرشتے ہیں، وہ بڑے ہی سخت ہیں۔

اس کا علم جب یونس کو ہوا۔ پہلے ہی اسے کوئی ڈر اور خوف نہیں تھا اور نہ اس کے دل میں اپنے باپ کا کوئی احترام تھا، تو اس نے اپنے والد کی ان باتوں کا جواب اپنے ہی انداز میں دیا، جس میں خوب اس کی توہین کی اور اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا تذکرہ کیا اور اس کا اپنے والد یعنی یونس کے دادا کے ساتھ جو سلوک تھا، اس کا خوب تذکرہ کیا، جس کا مفہوم یہ ہے:

میرا باپ میری ہتک کر رہا ہے، حالانکہ وہ خود کسی عزت و احترام کے

لائق نہیں ہے، ہم دونوں باپ بیٹا نافرمانی میں ایک جیسے ہیں، ہمارا ایک دوسرے سے ذرا برابر بھی فرق نہیں جو سلوک تو اپنے والد کے ساتھ کرتا رہا ہے، ویسا ہی سلوک میں تیرے ساتھ کر رہا ہوں۔

یوں محسوس ہوتا ہے باپ بیٹے کے اختلاف کی نوعیت قطع رحمی اور لاتعلقی والی نہیں تھی، بلکہ شاعری کی دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور دولت زیادہ کمانے کے چکر میں تھی۔ یونس ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو شاعری میں مقابلہ بازی کی حیثیت رکھتا ہے، جو دونوں باپ بیٹے میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ہم دونوں باپ بیٹا مسجدِ رسول ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے۔عصر کا وقت تھا۔ایک بارعب شخصیت نے، جو انتہائی قیمتی اور خوبصورت لباس میں ملبوس تھی اور اس کے ساتھ لوگوں کی جماعت تھی، میرے پہلو میں دو رکعتیں ادا کیں اور مجھے مخاطب کیا۔ یہ وہ پہلا موقع تھا جو میرے رزق میں اضافے کا باعث بنا، وہ آدمی یوں گویا ہوا:

اے نوجوان! آپ جانتے ہیں کہ عبداللہ بن سالم الخیاط کون ہے؟ میں نے کہا جی، میں جانتا ہوں۔ میں اس آدمی کو اپنے ہمراہ گھر لایا اور باپ سے ملاقات کروا دی۔ وہ آدمی کہنے لگا: مجھے پتا چلا ہے کہ عصبیت کے متعلق آپ کے اشعار ہیں؟ میرے باپ نے اس آدمی سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اس نے جواب دیا: میرا نام خریم بن ابی ہیذام ہے،تو ابن خیاط نے کہا: جی، میں نے اشعار کہے ہیں اور اشعار پڑھنے شروع کر دیے، اشعار سننے کے بعد خریم نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ابن خیاط کو انعام دینا چاہا تو یونس جلدی سے آگے بڑھا اور خریم کا ہاتھ پکڑ کر گویا ہوا کہ جلدی کی کیا ضرورت ہے؟

مجھے بھی اشعار آتے ہیں، وہ اس کے اشعار سے زیادہ اچھے ہیں۔ میرا یہ طریقہ دیکھ کر میرے والد نے کہا یونس: تیرا ستیاناس ہو، مجھے کیوں محروم کرنا چاہتا ہے؟ میں نے کہا: ٹھہرو! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میری بیوی تو بھوکی رہے اور تیری (بیوی) عیش و آرام میں زندگی بسر کرے۔ خریم نے کہا: یونس تم بھی اشعار پڑھو۔ میرے اشعار سن کر خریم نے میرے والد کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں ہی انعام کے حق دار ہو، لہٰذا اس نے پچاس دینار ہم دونوں کو تقسیم کر کے دے دیے۔

اب یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ اس (یونس) نے جو یہ جملہ بولا کہ تیری (بیوی) سیر ہو کر کھائے، جب اس عورت کے متعلق پوچھا گیا کہ یہ کون ہے، جس کو بھوکا رکھنے پر وہ راضی ہے؟ تو یونس کہنے لگا: یہ میری والدہ ہے میں نے جان بوجھ کر دونوں کی نافرمانی کی ہے۔

ایک دن دونوں باپ بیٹا جھگڑ پڑے، بیٹا باپ سے زیادہ طاقتور تھا، بیٹے کے دل میں ذرا بھی رحم نہ آیا، اس نے باپ کا گلا دبا دیا، ایک آدمی نے اچانک دیکھا اور یونس کو آواز دی: باپ کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہوئے تمھیں شرم نہیں آتی؟ یونس سے باپ کو چھڑانے کے بعد اس کے ساتھ اظہار افسوس کرنے لگا اور اسے تسلی دینے لگا، تو ابن خیاط نے اس آدمی کو کہا کہ اسے ملامت نہ کریں، یہ میرا ہی بیٹا ہے، میں نے بھی اپنے والد کا اسی طرح ہی گلا دبایا تھا۔ آدمی یہ بات سنتے ہی ہنستا ہوا چل دیا۔

یونس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا عطا کیا، جس کا نام دُحیم تھا، ابتدا میں دُحیم نے اپنے والد کے ساتھ کوئی نافرمانی والا معاملہ نہ کیا تو یونس کو شک ہونے لگا کہ میرا بیٹا ہو اور وہ فرمانبردار ہو، یہ نہیں ہوسکتا، لیکن حالات جلد ہی تبدیل ہو

گئے اور وہ اس کا سب سے زیادہ نافرمان بن گیا۔ یونس اپنے اسی بیٹے کے بارے میں کہنے لگا: میرے بیٹے رُحیم نے میرے تمام شکوک وشبہات دور کر دیے ہیں، جب تک اس نے کوئی نافرمانی نہیں کی، اس وقت تک مجھے اس کے بارے میں شک باقی تھا، لیکن جب اس نے ویسے ہی نافرمانی کی، جیسے میں اپنے والد کے ساتھ کیا کرتا تھا تو سارے شک ختم ہو گئے۔

یونس نے اپنے والد کا دائرہ حیات تنگ کر رکھا تھا اور خواہ مخواہ اسے پریشان کیا کرتا تھا۔

یونس کا اپنا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرا باپ دوستوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، میں نے اسے غصہ دلانے کے لیے کہا کہ میں تمھیں اپنے اشعار سناؤں؟ سب نے کہا سناؤ! یونس نے اشعار پڑھے، جن کا مطلب یہ ہے: اے سوال کرنے والے! آپ پوچھتے ہیں: میں کون ہوں اور میرا نسب کیا ہے؟ میں بے اصل ہوں اور میرا کوئی نسب نہیں، کُتا بھی مجھے دیکھ کر فخر کرتا ہے اور اس کا نسب مجھ سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

یہ سنتے ہی میرا باپ میری طرف جلدی سے بڑھا اور وہ مجھے مارنا چاہتا تھا، میں نے دوڑ لگا دی تو وہ گالیاں دینے لگا اور اس کے دوست یہ منظر دیکھ کر ہنسنے لگے۔

کتبِ ادب عبداللہ بن سائم الخیاط کی موت کا واقعہ یوں بیان کرتی ہیں:

محمد بن عبداللہ بکری کہتے ہیں کہ زبیر بن بکار نے ابن خیاط کی موت کا منظر کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ بڑی طویل مدت صاحبِ فراش رہا۔ ایک مرتبہ میں اس کی عیادت کے لیے گیا تو وہ کہنے لگا کہ بڑی دیر ہو چکی ہے کہ میں

موت و حیات کی کشمکش میں ہوں، چاہنے کے باوجود مجھے موت نہیں آتی، میں چاہتا ہوں کہ موت آ جائے اور میری جان ان مصیبتوں سے چھوٹ جائے۔ کتے کی طرح ہانپتا تھا جیسا کہ لبید، حطیہ اور عبید بن ابرص کی موت آئی تھی۔ ابن بکری کا بیان ہے کہ میں واپس ہوا ہی تھا کہ پیچھے سے رونے کی آواز سنائی دی، یہ ابن خیاط کی موت تھی۔ اس کی زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے والد کی نافرمانی کرتا رہا، اس کے بیٹے نے اس کی نافرمانی کی۔ شاعری اور ادب نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا، بادشاہوں کے محلات میں آنا جانا اور ان سے بڑے بڑے انعامات وصول کرنا رائیگاں چلا گیا۔ بیماری کے ایام میں سارے قریبی رشتے دار اس سے منہ موڑ گئے۔ عام لوگوں کو بھی اس کی حالت پر کوئی ترس نہیں آتا تھا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی کا سوال کرتے ہیں کہ وہ ایسی ذلت و رسوائی کی موت سے محفوظ فرمائے۔

نضیرہ بنت ساطرون کا انجام

ساطرون کا اصل نام ضیزن بن معاویہ ہے۔ جو فرات کے کنارے واقع حضر نامی قلعے کا مالک تھا، اس کے اندر ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ سابور نے اس پر حملہ کیا اور دو سال تک محاصرہ جاری رکھا۔ نضیرہ، جو ضیزن کی بیٹی تھی، اس نے ایک مرتبہ قلعہ سے باہر دیکھا تو اس کی نظر سابور پر پڑی، اس نے ریشم کا لباس زیبِ تن کیا ہوا تھا اور ہیرے جواہرات سے مرصع سونے کا تاج بھی پہنا ہوا تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی خوبصورت بھی تھا۔ نضیرہ سابور سے مخاطب ہو کو کہنے لگی: اگر میں قلعے کا دروازہ کھول دوں تو تم مجھ سے شادی کر لو گے؟

سابور نے کہا: ہاں! میں شادی کر لوں گا۔

دوسری طرف ساطرون (ضیزن) کی یہ حالت تھی کہ وہ روزانہ شراب پی کر سوتا تھا، نضیرہ نے باپ کے سرہانے سے قلعے کی چابیاں اٹھالیں اور کسی غلام کے ذریعے قلعے کا دروازہ کھول دیا، سابور قلعے میں داخل ہوا، قلعہ فتح ہو گیا اور اس نے ساطرون کو قتل کر دیا اور نضیرہ سے شادی کر لی۔

ایک رات نضیرہ اپنے بستر پر پریشان لیٹی ہوئی تھی، اسے نیند نہیں آ رہی تھا۔ سابور نے شمع روشن کی دیکھا تو بستر پر آس بوٹی کا ایک پتا پڑا ہوا تھا، سابور کہنے لگا: اس کی وجہ سے آپ کو نیند نہیں آ رہی تھی؟ جواب دیا: ہاں!

سابور: تیرا باپ تیرے لیے کیسے بستر کا بندوبست کرتا تھا؟

نضیرہ: میرا باپ مجھے ریشم کا لباس اور بہترین بستر مہیا کرتا اور شراب پلاتا تھا۔

سابور: کیا باپ کے احسانات کا یہی بدلہ ہے جو تو نے اسے دیا ہے؟ تجھے جلد اس کی سزا ملنی چاہیے۔ اس نے گھوڑے کی دم کے ساتھ اس کے بال باندھ کر گھوڑے کو بھگا دیا اور یوں اپنے باپ کے قتل کا سبب بننے والی خود بھی قتل ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ بری اولاد، برے پڑوسی، بری عورت اور برے وقت سے محفوظ فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

نافرمانی کا انجام

ابو عبدالرحمٰن الطائی کا بیان ہے کہ بنو فہد قبیلے میں ایک بوڑھا اور ضعیف آدمی تھا، جس کی کنیت ابو منازل تھی۔ منازل اس کے بیٹے کا نام تھا، اسی مناسبت سے اسے ابو منازل کہا جاتا تھا۔ منازل کے علاوہ اور بھی بیٹے تھے، باپ اپنے تمام بیٹوں میں برابر تقسیم کیا کرتا تھا، لیکن منازل اپنے والد کا حصہ بھی لے لیتا تھا۔ ایک مرتبہ اس بزرگ کے نام کچھ عطیہ جاری ہوا، منازل اپنے والد کو لے کر عطیہ وصول کرنے چلا گیا، جب باری آئی تو منازل نے عطیہ وصول کرنا چاہا، اس لیے کہ وہ بڑا بیٹا ہے، لیکن والد نے کہا کہ عطیہ مجھے ہی دیا جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ والد منازل کے سہارے چلنے لگا، منازل نے کہا: یہ عطیہ مجھے دے دو، لیکن والد راضی نہ ہوا۔ واپسی پر راستے میں منازل نے زبردستی عطیہ اپنے والد سے لیا اور بھاگ گیا۔ باپ خالی ہاتھ واپس لوٹ آیا۔ اہلِ خانہ کے پوچھنے پر ابو منازل نے مندرجہ ذیل باتیں کیں:

منازل میرا بیٹا ہے، اس نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا ہے، جو میں اپنے باپ کے ساتھ کرتا رہا ہوں۔ میں نے اس کو پالا اور جوان کیا ہے، اس نے ظلم کرتے ہوئے مال مجھ سے چھین لیا ہے اور میرا ہاتھ اس نے ٹیڑھا کر دیا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا کرتا ہوں کہ وہ بھی اس کے ہاتھ کو ٹیڑھا کر دے۔

ابو منازل کی یہ دعا قبول ہوئی اور منازل کا ہاتھ ٹیڑھا ہو گیا۔[1]

[1] مجابو الدعوة لابن أبي الدنيا.

باپ کا قاتل

علی بن یحییٰ منجم کا بیان ہے:

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ منتصر باللہ کھیل میں مصروف تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک چادر پر پڑی، جس میں ایک گھوڑ سوار کی تصویر بنی ہوئی تھی اور ارد گرد فارسی میں تحریر موجود تھی۔ خلیفہ نے حکم جاری فرمایا کہ مترجم لایا جائے۔ ایک آدمی نے بڑے غور وفکر سے دیکھ کر کہا کہ جناب! اس کلام کا کوئی مطلب نہیں، یعنی یہ بے معنی کلام ہے، لیکن خلیفہ کے اصرار پر عبارت پڑھنا ہی پڑی، جس کا مضمون یہ تھا:

''میرا نام شیرویہ بن کسریٰ بن ہرمز ہے۔ میں اپنے باپ کا قاتل ہوں، میں چھے ماہ سے زیادہ بادشاہت سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔''

یہ بات سنتے ہی منتصر کا رنگ تبدیل ہوگیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ چھے ماہ مکمل نہیں ہوئے تھے کہ منتصر فوت ہوگیا۔ اس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ اپنے باپ کا قاتل ہے۔ منتصر مرض الموت میں یہ کہہ رہا تھا: افسوس! میری دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوگئیں، میں نے اپنے باپ کو (جلد خلافت لینے کی خاطر) قتل کر دیا، مجھ سے بھی جلد خلافت چھن گئی۔

علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ ترکوں نے ایک چال چلی کہ ابن طیفور نامی حکیم (جو شاہی خاندان کا حکیم تھا) رشوت دی اور کہا کہ خلیفہ کو مشورہ دو کہ بیماری کا علاج صرف اور صرف فصد (رگ سے خون نکالنا) ہے اور پھر زہر آلود آلہ

میں نے بھی اپنے باپ کو ایسے ہی کہا تھا

جریر بن عطیہ نامی ایک شاعر تھا، جو اپنے والد کا بڑا ہی نافرمان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بلال نامی ایک بیٹا عطا کیا، اس نے بھی اپنے باپ والا طریقہ اپنایا، ایک مرتبہ باپ بیٹے کا کسی بات پر تکرار ہوا تو بلال اپنے باپ سے کہنے لگا: ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو، وہ اپنی ماں سے بدکاری کرنے والا ہو۔ یہ الفاظ ماں کے کانوں میں پڑے، وہ بڑی پریشان ہوئی اور غصے سے کہنے لگی:

اللہ کے دشمن! باپ کو ایسی بات کہہ رہا ہے؟

جریر یہ بات سن کر اپنی بیوی سے مخاطب ہوا اور کہا: اسے کچھ نہ کہو، یہ میرے ہی الفاظ ہیں۔ میں نے بھی اپنے باپ سے ایسے ہی کہا تھا!!

سے فصد کیا جس سے منتصر فوت ہو گیا۔

علامہ ذہبی ہی کا قول ہے کہ ابن طیفور بیمار ہوا تو فصد کی ضرورت پڑی۔ اس نے اسی زہر آلود آلہ سے فصد کیا کیوں کہ وہ یہ بھول چکا تھا کہ یہ وہی آلہ ہے جس سے منتصر فوت ہوا تھا، ابن طیفور بھی اسی زہر کے اثر سے فوت ہو گیا۔[1]

[1] سير أعلام النبلاء للحافظ الذهبي [12/44-45]

سب سے بڑا نافرمان

اصمعی کا بیان ہے کہ ایک اعرابی کو خیال آیا کہ میں مختلف قبیلوں میں جاؤں اور دیکھوں کہ سب سے زیادہ نافرمان اور سب سے زیادہ فرمانبردار اور حسنِ سلوک کرنے والا کون ہے۔ مختلف قبائل سے ہوتا ہوا میں ایک قبیلے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھا آدمی ہے، اس کے گلے میں رسّی ہے۔ سخت گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت وہ کنویں سے ڈول کے ساتھ پانی نکال رہا ہے۔ ایک نوجوان اس کے پیچھے ہے اور کوڑا نما ایک رسی اس کے ہاتھ میں ہے، جس سے اس بوڑھے کو مارتا ہے اور اس بوڑھے کی کمر اس سے زخمی ہو چکی ہے۔ میں نے اس نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تجھے اللہ کا خوف نہیں؟ اتنی سزا کافی نہیں کہ اوپر سے مارتے بھی ہو؟ وہ نوجوان کہنے لگا: آپ کو پتا ہے یہ میرا والد ہے، میں نے کہا اللہ تیرا کبھی بھلا نہ کرے۔ وہ کہنے لگا خاموش رہو! یہ اپنے باپ کو اسی طرح مارا کرتا تھا اور اس کا باپ اپنے باپ کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتا تھا۔ مجھے یہ بات سمجھ آئی کہ یہ سب سے بڑا نافرماں ہے۔[1]

[1] المحاسن والمساوي للشيخ إبراهيم البيهقي [ص: 553]

تیرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا

بعض اہلِ علم سے یہ بات مروی ہے کہ ایک آدمی اپنے باپ کی خدمت سے تنگ آ گیا، وہ اسے لے کر جنگل میں چلا گیا تو باپ نے پوچھا: بیٹا کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: تجھے ذبح کروں گا۔ باپ کہنے لگا: ذرا آگے لے جاؤ، یہاں میں نے اپنے باپ کو ذبح کیا تھا اور یاد رکھ! کل تیرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔

ماں کی نافرمانی قید کا سبب بن گئی

خلیف نامی ایک نوجوان اپنی بوڑھی والدہ سے اجازت لے رہا تھا کہ وہ ڈاکا زنی میں قسمت آزمانا چاہتا ہے۔ ملک عبدالعزیز کے زمانے سے پہلے چاروں طرف یہی حال تھا۔ شدید فقر اور بھوک کی وجہ سے ہر کسی نے اس کام کو بطور پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اس نوجوان کے دل میں بھی یہی بات آ رہی تھی کہ میں ایسا کر کے دیکھ لوں۔ سمجھ دار ماں بیٹے کو سمجھانے لگی: بیٹا! یہ ہر کسی کا کام نہیں، اس کے لیے تجربہ، بہادری، ثابت قدمی، عمدہ گھوڑے اور بہترین اسلحہ کی ضرورت ہے، جب کہ تمھارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

یہ ساری باتیں اس کے اوپر سے گزر رہی تھیں، اسے ایک ہی بات یاد تھی۔ اس کا اصرار دیکھ کر ماں نے کہا: بیٹا! اگر تم ضرور ہی جانا چاہتے ہو تو میری نصیحت یاد رکھنا، زیادہ لالچ اور طمع میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور قافلے کا سب سے آگے والا جانور اکیلا بھی مل جائے، اسے چوری نہیں کرنا، کیونکہ وہ سب سے بہتر ہوتا ہے۔ مالک اس کی تلاش میں ضرور آئے گا اور وہ تجھے پکڑ لے گا اور چھوڑے گا نہیں۔ خلیف ماں کی باتیں سننے کے بعد روانہ ہو گیا، اس کا گھوڑا سست رفتار اور چھوٹے قد والا تھا، جو کسی مشکل میں اس کو بچانے کا کام ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔ ایک جگہ پر خلیف نے دیکھا کہ اونٹ موجود ہیں اور مالک سویا ہوا ہے۔

چناں چہ اس نے ایک اونٹنی پکڑی اور ماں کی نصیحت کو بھلا کر لالچ میں

پڑ گیا، ماں کی نافرمانی کرتے ہوئے وہی کام کیے جن سے ماں نے منع کیا تھا۔ یہ عمدہ ترین مال لے کر چل پڑا، سست رفتاری کی وجہ سے زیادہ فاصلہ طے نہ کر پایا تھا کہ مالک بیدار ہوا، اس نے دیکھا کہ سب سے قیمتی جانور نہیں۔ وہ اپنے ایک نسلی گھوڑے پر سوار ہوا قدموں کے نشانات کو دیکھتے ہوئے چند ہی لمحوں میں خلیف تک پہنچ گیا، اس نے آتے ہی اسے مارنا شروع کر دیا، خلیف بے ہوش ہو کر گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ کافی دیر بعد ہوش آیا تو وہ آدمی اس کے سینے پر بیٹھا ہوا تھا کہ خلیف کو ہوش آنے پر قتل کر دے۔ خلیف یہ منظر دیکھتے ہی ہنسنے لگا اور والدہ کی نصیحت اسے یاد آ رہی تھی۔

اس آدمی نے محسوس کیا: یہ تو کوئی مجنون اور دیوانہ ہے، جو اس خوفناک منظر میں بھی ہنس رہا ہے۔ پوچھنے لگا: بتاؤ! کیوں ہنس رہے ہو؟ خلیف نے کہا کہ میری والدہ نے جو نصیحتیں کی تھیں، ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے، اس لیے (اپنی بے وقوفی پر) ہنس رہا ہوں۔

وہ آدمی کہنے لگا کہ وہ نصیحتیں مجھے بھی بتاؤ۔ خلیف نے نصیحتیں بتا دیں، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، نصیحتیں سنتے ہی آدمی کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس نے اونٹنیاں خلیف کو صدقہ میں دے دیں اور کہا کہ ایک اونٹنی تیری والدہ کے لیے ہے۔ جاؤ میں تمھیں آزاد کرتا ہوں۔ وہ اونٹنیاں لے کر والدہ کے پاس پہنچا، والدہ کو بڑا تعجب ہوا، خلیف نے ساری داستان والدہ کو سنائی، والدہ کی نصیحت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یعنی نافرمانی کے نتیجہ میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اللہ نے کرم فرمایا جس سے نجات مل گئی۔

باپ کا قاتل

بارہ سال کی عمر میں اس کا باپ فوت ہو گیا۔ اس کی بوڑھی والدہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے ان کا بچا ہوا کھانا لاتی، تاکہ اپنے بیٹے کا پیٹ پال سکے اور ان کے پرانے کپڑے لے آتی، تاکہ بیٹا پہن سکے اور تھوڑی سی اجرت ملتی جو مشکل سے گھر کا کرایہ ہوتا اور گھر بھی حوادثاتِ زمانہ سے بالکل بوسیدہ ہو چکا تھا۔

کام کرتے کرتے والدہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ مسلسل مصروفیت کی وجہ سے بیمار پڑ گئی اور اس کا کوئی خیال کرنے والا نہیں تھا جو اسے کھانا مہیا کرے اور اس کی تیمارداری کرے۔ آخر کار گورنمنٹ ہسپتال میں علاج معالجہ کے لیے داخل ہو گئی۔ اب اس کے لیے دو طرح کی پریشانیاں تھیں۔ ایک تو بیماری مسلسل جسم کو کمزور کیے جا رہی تھی اور دوسری پریشانی بیٹے کی تھی، جو گھر میں اکیلا ہی رہ گیا تھا، آخر والدہ اللہ کو پیاری ہو گئی اور بیٹا گھر میں اکیلا ہی رہ گیا۔

اس نے والدہ کی وفات کے بعد سکول چھوڑ دیا، اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ تھوڑی سی مزدوری کے عوض عمارتی کام کرنا شروع کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ایک ماہر کاریگر بن چکا تھا۔ مالی حالت بہتر ہو گئی اور آسودہ قسم کی زندگی گزارنے لگا۔

ایک دن اسے خیال آیا کہ اب اسے شادی کر لینا چاہیے۔ وہ اپنے استاد

کے پاس گیا اور کہا کہ اپنی بیٹی کا میرے ساتھ نکاح کر دو، وہ راضی ہو گیا اور دلہن گھر آ گئی۔

زمانہ گزرتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور اولاد کے ساتھ ایک کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا۔ لوگوں میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ وہ ماہر فن، امانت دار اور معاملات میں انتہائی صاف گو ہے۔

اب اس کی ذمے داریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ مکمل ہفتہ مسلسل کام کرتا تھا۔ کوئی ایک دن بھی اسے آرام کے لیے نہیں ملتا تھا۔ اولاد میں مسلسل اضافے کی وجہ سے اخراجات اتنے بڑھ رہے تھے کہ روزانہ کی آمدنی روزانہ ہی خرچ ہو جاتی تھی، کیونکہ تقریباً ہر دو سال بعد بچہ پیدا ہو رہا تھا۔

اس کی بڑی خواہش تھی کہ میری تمام اولاد تعلیم یافتہ ہو۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں کو کہا کرتا تھا: میں نے زندگی میں بہت مشکلات برداشت کی ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم میری زندگی میں خوشحال رہو اور میری وفات کے بعد بھی اللہ تمھیں فراخی عطا فرمائے۔

اس کا بڑا بیٹا یونیورسٹی سے فارغ ہو کر سرکاری محکمے میں افسر بن گیا۔ ادھر باپ کی عمر پچاس سال ہو چکی تھی اور وہ ابھی تک مسلسل اپنا کام کر رہا تھا۔ عمر کے ساتھ تجربہ میں اضافے کی وجہ سے اس کی شہرت مزید بڑھ رہی تھی، لیکن جسم کی کمزوری اور بیماریوں کے حملے بڑھتے جا رہے تھے۔

بیٹے نے یونیورسٹی میں پڑھنے والی ایک لڑکی سے شادی کر لی، جس کی شرط یہ تھی کہ وہ والدین سے الگ کرائے کے مکان میں رہے، جس میں نئی گاڑی، قیمتی فرنیچر، قالین، فریج اور واشنگ مشین وغیرہ موجود ہوں۔

بیوی یونیورسٹی کی کلاس فیلو ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، لہٰذا اس کی تمام شرائط کو پورا کرنا اس کی مجبوری بن گئی۔

بیوی کے مطالبات پورے کرتے کرتے وہ مقروض ہو گیا، اس کے ساتھ مکان کے کرائے، بجلی کے بل، ٹیلی فون کے بل وغیرہ کا بوجھ اس کے سر پر تھا، اس بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے اسے مزید مالی تعاون کی ضرورت تھی۔

والد کی خواہش تھی کہ وہ بیٹے کے قرض میں اس کی معاونت کرے، لیکن گھریلو اخراجات ہی اتنے تھے کہ وہ معاونت سے عاجز تھا، کیوں کہ اس کے چھوٹے بیٹے بیٹیاں زیر تعلیم تھے۔ اب وہ بحیثیت باپ اپنے بیٹے کی حالت پر پریشان تھا اور دوسری پریشانی یہ تھی کہ وہ مالی معاونت سے بھی عاجز تھا۔

بیوی کے ذاتی اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ تنخواہ سے پورے نہیں ہوتے تھے، اس کا یہ مطالبہ رہتا کہ میرے شایانِ شان خرچہ ملنا ضروری ہے، کیونکہ مختلف پروگراموں میں رشتے داروں کی ملاقات اور بیوٹی پارلر میں جانے کے لیے وافر مال کی ضرورت ہے۔

محکمہ تعمیرات کی طرف سے اس نے ایک پلاٹ خریدا، اسی محکمے میں وہ ملازمت کرتا تھا، والد نے گھر تعمیر کر کے دینے کی ذمے داری قبول کر لی، دو سال کے عرصے میں گھر کی تعمیر مکمل ہوئی۔

باپ نے بیٹے کے ساتھ طے یہ کیا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ نئے مکان میں رہائش پذیر ہوگا، تاکہ اس کے دوسرے چھوٹے بیٹے اپنی تعلیم مکمل کر کے کوئی نوکری وغیرہ کرنے لگیں اور بیٹیوں کی شادی ہو جائے۔ اسی دوران میں اس کی والدہ فوت ہو گئی اور اس کا والد دنیا میں تنہا رہ گیا۔

بیٹا والد سمیت نئے گھر میں رہنے لگا۔ والد ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ اسے مختلف قسم کی بیماریاں لاحق ہو چکی تھیں اور وہ کام کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ بیٹے کا بوڑھے باپ کے ساتھ رہنا مشکل ہو گیا۔ ایک تو وہ کوئی کام کرنے کے قابل نہیں تھا، دوسرے یہ کہ بیماریاں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

بیوی باپ کو برداشت کرنے کے لیے کسی صورت تیار نہیں تھی۔ اس نے مختلف قسم کے بہانے بنانے شروع کر دیے۔ کبھی کہتی کہ یہ بوڑھا ہمارے خاص معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے اور کبھی کہتی کہ میں اس کی خدمت نہیں کر سکتی اور کبھی کہتی کہ یہ گھر میں شور بہت کرتا ہے، کبھی کہتی کہ اس کی وجہ سے ہمارے بچے بیمار ہو جائیں گے اور کبھی یہ کہتی کہ اسے تو اونچے لوگوں کی طرح رہنا ہی نہیں آتا اور نہ وہ اس کے تقاضے پورے کرنے کے لائق ہے۔

ایک وقت آیا کہ بیوی نے آخر کار دو ٹوک بات کر دی کہ گھر میں تیرا باپ رہے گا یا میں رہوں گی، آپ کو اختیار ہے جسے چاہیں پسند کر لیں۔

والد کی حالت یہ ہو رہی تھی کہ وہ اپنے اصل وقت سے زیادہ کام کرتا تھا اور اسے آرام کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اس کے ساتھ ملازم بھی زائد وقت لگاتے تھے۔ اس سے مقصود اپنے بیٹے کے گھر کی تعمیر کے لیے مال جمع کرنا تھا، جس کا والد نے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں اپنی خالص کمائی سے گھر تعمیر کر کے دوں گا۔

جمعہ کے دن صبح صبح والد اپنے ملازموں کو لے کر بیٹے کے گھر کی تعمیر میں مشغول ہو جاتا، صبح بہت جلد کام کا آغاز ہو جاتا اور رات گئے تک وہ کام میں مصروف رہتے تھے۔ مزدور استاد کے احترام میں اجرت بھی کم وصول کرتے تھے۔

سردی کے موسم میں باپ کو کھانسی اور زکام ہو جاتا، لیکن اسے کام میں

مشغول رہنے کی وجہ سے آرام کے لیے کوئی فرصت نہیں ملتی تھی۔

گھر کی تعمیر کے دوران میں والد محترم نے گھر کے اخراجات میں کمی کر دی، تاکہ اس بچت سے سامان خریدنے اور ہفتہ وار مزدوروں کو اجرت دینے میں آسانی ہو جائے۔ اکثر لوگ اپنے گھروں کی تعمیر کے دوران بچ جانے والا سامان اس بزرگ کو دے دیتے اور وہی سامان اپنے گھر کی تعمیر میں استعمال ہو جاتا تھا۔

آخر کار والد گھر کی تعمیر میں کامیاب ہو گیا۔ یہ تعمیر انتہائی مشکل مراحل طے کرنے کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

لیکن اس نئے گھر میں اس کو اپنے بیٹے اور بہو کے ہمراہ آرام سے رہنا نصیب نہ ہو سکا۔ بہو کی یہ خواہش تھی کہ والد گھر میں نہ رہے، تاکہ وہ گھر میں اور گھر سے باہر آزادانہ ماحول میں زندگی گزار سکے۔ اس کے لیے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ والد کو کھانا اس وقت ملتا تھا، جب سارے کھا چکے ہوتے اور وہ کھانا بھی سب کا بچا ہوا ہوتا تھا۔ اس نئے گھر میں آنے کے بعد اس کے کپڑے دھوئے ہی نہیں گئے، بلکہ ایک خاتون اجرت پر کام کرتی، وہ کپڑے دھو دیا کرتی تھی اور پڑوسی اس بزرگ کو کپڑے پہنا دیتے تھے۔

بستر کو بھی کبھی کسی نے نہ کبھی درست کیا اور نہ صاف ہی کیا، کمرے کی صفائی کا بھی کوئی اہتمام نہیں تھا۔

بیٹا صرف باپ کے پاس کھانا رکھنے کے لیے آتا تھا۔ باپ اگر کسی کھانے کی خواہش کرتا تو بیٹا ڈانٹ کر جواب دیتا: ہمارے پاس یہی کھانا ہے۔ یہ کوئی ہوٹل نہیں کہ ہر پسند کا کھانا دستیاب ہو۔

جب کبھی مرض اور تکلیف کے بڑھ جانے کے سبب باپ بیٹے کو ڈاکٹر

کے پاس جانے کا کہتا تو بیٹے کا یہ جواب ہوتا تھا کہ ڈاکٹر کیا کرے گا؟

بہو بوڑھے والد کے قریب ہی نہ آتی اور نہ بچوں ہی کو آنے دیتی تھی، آخر وہ وقت بھی آیا کہ بیٹا باپ کو اپنے گھر سے باہر پھینکنے کے لیے اس کے کمرے میں آن پہنچا۔ یہ سب کچھ وہ اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے کر رہا تھا، کیوں کہ اس نے دھمکی دے رکھی تھی کہ اس گھر میں تیرا باپ رہے گا یا میں رہوں گی۔

سخت سردی کا موسم تھا۔ بارش ہو رہی تھی۔ شام چار بجے کے قریب بوڑھے باپ کو، جو شدید کھانسی، شوگر اور بلڈ پریشر جیسی کئی بیماریوں میں مبتلا تھا، بیٹے نے گندگی سے بھرے ہوئے اسی بستر میں لپیٹ کر اٹھانے کی کوشش کی تو باپ رونے لگا۔ بیٹے نے باپ کو مارتے ہوئے سخت سردی کے موسم میں شدید بارش کے دوران میں سڑک پر پھینک دیا اور گھر آتے ہی دروازہ بند کر لیا، ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کوئی معرکہ سر کر کے آیا ہے۔ دوسری طرف بیوی بڑی خوش ہو رہی تھی، اس نے اس کارنامے کے صلے میں خاوند کو چائے پیش کی کہ اس نے بوڑھے باپ پر مجھے ترجیح دی ہے اور میری بات مان لی ہے۔

بوڑھا باپ بارش میں بھیگنے کی وجہ سے فوت ہو چکا تھا۔ پولیس کے کچھ آدمی پہنچے تو اس کے منہ اور سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کا پرانا اور بوسیدہ بستر بھی خون سے لت پت تھا۔ بیٹا باپ کے قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا میں جیل چلا گیا، جب کہ اس کی بیوی بچوں کو لے کر اپنے میکے چلی گئی اور وہ گھر خالی رہ گیا۔ اب اس میں کوئی رہنے والا نہیں تھا۔

بیٹا پندرہ سال جیل میں رہا۔ سال میں ایک یا دو مرتبہ بیوی ملنے کے لیے آیا کرتی تھی۔ کسی سیاسی مناسبت کی وجہ سے اسے عمر قید سے معافی مل گئی۔ بیوی

کو جیل افسر نے بتایا کہ کل آپ کا خاوند جیل سے باہر آ رہا ہے۔ اس اثنا میں اس کا بیٹا جوان ہو کر ملازم ہو چکا تھا۔ وہ گاڑی میں اپنی والدہ کے ہمراہ والد کو لینے آ رہا تھا۔ دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کو آتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ والد جلدی سے بیٹے اور بیوی کی طرف آگے بڑھا۔ ادھر بیٹے نے بھی گاڑی تیز کی، غیر ارادی طور پر والد گاڑی سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑا اور گاڑی اوپر سے گزر گئی۔ بیٹا جلدی جلدی گاڑی سے باہر آیا، دیکھا تو باپ آخری سانس لے رہا تھا اور اس کے منہ اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ ایسی حالت میں کہ اس کے منہ اور سر سے خون بہہ رہا تھا اور یہ بھی ایسی ہی حالت میں اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔

دنیا کے بادشاہ کی نرمی سے عمر قید سے رہائی ملی، لیکن زمین و آسمان کے مالک نے اسے ہمیشہ کے لیے قبر کی قید میں بند کر دیا۔

اس کی بیوی پہلے تو بیوہ اس وجہ سے تھی کہ اسے عمر قید ہو چکی تھی، اب وہ اس کے مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے بیوہ بن گئی۔ پہلے اس کا مکان خالی تھا۔ اس بات کا انتظار تھا کہ قید سے رہائی مل جائے۔ یہ آج تک خالی پڑا ہے، اس میں تو کوئی کرایہ دار بھی نہیں آیا۔ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ یہ گھر بڑا ہی نحوست والا ہے۔ بیس سال سے خالی پڑا ہے، اس کو نہ کوئی خریدنے کے لیے تیار ہے اور نہ کرایہ پر رہنے کے لیے تیار ہے۔ اب اس گھر میں اُلّو بولتے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے یہ بہت بڑی وعید ہے۔[1]

---

(1) تدابیر القدر للواء محمود شیت خطاب رحمه الله [ص: 39-40]

نافرمانی کا انجام

وائل اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کی اسے بہت خوشی ہوئی۔ اس کے ماں باپ تو اس سے کہیں زیادہ خوش ہو رہے تھے، کیوں کہ وہی ان کا مستقبل میں امیدوں کا سہارا تھا۔ وائل ڈاکٹر بننے کے لیے بیرون ملک چلا گیا۔

اس کا باپ تاجر تھا اور مسلسل خرچہ بھیج رہا تھا۔ وائل نے یونیورسٹی کے قریب ایک کمرہ کرائے پہ لیا۔ یہ مکان فرانس کے خاندان کا تھا، اس خاندان کی ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ مسلسل ملاقات سے دونوں میں تعلقات بڑھتے چلے گئے۔ بے تکلفی یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ بلا جھجک جب چاہتی وائل کے کمرے میں آ جایا کرتی تھی۔ شیطان نے اپنا کام جاری رکھا۔ اسی دوران میں تحائف کا تبادلہ چلتا رہا۔

اس نے تعلیم میں توجہ کم کر کے سارا وقت اس لڑکی کی محبت میں گزارنا شروع کر دیا اور آئے دن باپ سے اخراجات کے زیادہ ہونے کا بہانہ بنا کر پیسوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔ والدہ بھی بیٹے کی محبت کی وجہ سے باپ کو خوب توجہ دلاتی کہ بیٹا باہر ہے، اسے آخر خرچہ بھی تو چاہیے! آخر وہ ڈاکٹر بن رہا ہے، ہمیں بہت زیادہ کما کر دے گا، لیکن وہ دونوں اپنے بیٹے کے اس عمل سے بے خبر تھے۔

ایک دن وہ لڑکی روتی ہوئی پریشان حالت میں وائل کے پاس آئی۔

وائل یہ منظر دیکھ کر بہت پریشان ہوا اور اسے تسلی دیتے ہوئے پوچھا: آپ بات تو بتائیں کیا معاملہ ہے؟ کافی دیر کے بعد اس نے بتایا کہ میرے باپ نے مجھے اپنے گھر سے اس وجہ سے نکال دیا ہے کہ میں بالغ ہو چکی ہوں۔ لہٰذا اپنے اخراجات خود پورے کروں۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی ذمے داری ختم ہو چکی ہے۔

وائل نے خود اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے لڑکی کو شادی کی پیشکش کر دی۔لڑکی نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رضا مندی کا اظہار کیا۔ دونوں کی شادی ہوگئی اور وہ ایک گھر میں رہنے لگے۔ وائل پر مکان کے کرائے کے ساتھ ساتھ بیوی کا بوجھ بھی بڑھ گیا۔ وائل نے مہنگائی کا بہانا بنا کر پہلے سے ڈبل خرچے کا مطالبہ کر دیا، جب کہ والد اتنی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ والدہ اپنی محبت و شفقت سے مغلوب ہو کر ہر ممکن کوشش کرتی کہ بیٹے کا منہ مانگا مطالبہ ضرور پورا کیا جائے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ باپ کا کاروبار ختم ہو گیا اور والدہ نے اپنے زیوارت بھی فروخت کر دیے۔ وائل کے مطالبات میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اتنا زیادہ مال وہ کہاں سے لائیں گے۔ اسے تو صرف اور صرف اپنی مہنگی محبوبہ کے مطالبات پورے کرنے کی لگن تھی۔

والدین روشن مستقبل کی امیدوں کے سہارے ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہوئے صبر سے دن گزار رہے تھے کہ جلد ہی بیٹا فارغ ہو کر واپس آنے والا ہے۔

آخر کار دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گھر فروخت کر کے رقم وائل کو بھیج دیں اور خود کرائے کے چھوٹے مکان میں گزارا کر لیں گے۔ پھر اس کے آتے ہی بہت بڑا محل خرید لیں گے اور سب مل کر انتہائی خوش گوار زندگی گزاریں گے۔

والد محترم نے وائل کو خط لکھا کہ بیٹا اب تو ہر چیز فروخت ہو چکی ہے اور والدہ کے زیورات اور ہمارا مکان بھی فروخت ہو چکا ہے، اب آپ کو کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔

بیٹا باپ کا خط پڑھتے ہی غصے میں آ گیا۔ شیطان نے وسوسے ڈالنے شروع کر دیے کہ والدین نے میرا مستقبل ضائع کر دیا ہے۔ ان کے متعلق اس کا دل بہت سخت ہو گیا اور ان سے رابطہ منقطع کر دیا اور خود تعلیم جاری رکھنے کے لیے کام شروع کر دیا۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد کام مسلسل جاری رکھا۔ وطن واپسی کے لیے مال جمع کرنا شروع کر دیا۔ اپنے مقصد میں کامیابی کے بعد وہ بہت سا مال جمع کر کے بیوی بچوں سمیت وطن واپس آ گیا، لیکن والدین کو اس کی بالکل خبر نہ ہونے دی۔

وائل بہت امیر ہو چکا تھا، لیکن حسد، بغض اور کینے کی وجہ سے اپنے والدین سے لاتعلق ہو چکا تھا، جو اس کی عیش و آرام والی زندگی کا سبب بنے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ وہ مہلت دیتا ہے، لیکن کبھی غافل نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وائل کے باپ کے دوستوں میں سے ایک آدمی اس کے کلینک میں آیا اور وائل کو پہچان لیا، لیکن وہ بالکل بے خبر تھا۔ اس شخص نے وائل کے باپ کو بتایا کہ وہ واپس آ چکا ہے اور اس نے بہترین کلینک بنا رکھا ہے۔ والد کہنے لگا: میں یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن دوست نے اللہ کی قسم کھاتے ہوئے کہا: آؤ! میں تمھیں دکھاؤں۔

باپ اس بات کی تصدیق کے لیے وہاں پہنچا تو وہ کلینک پر وائل کا نام دیکھ کر حیران رہ گیا، اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو ٹپک

رہے تھے۔ بیٹے کو آنکھوں کے سامنے دیکھنے کے باوجود اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بڑی طویل مدت کے بعد باپ بیٹا ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ باپ بیٹے کو سینے لگانے کے لیے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا، تاکہ شوقِ ملاقات کی آگ کے شعلوں کو بجھا سکے۔ باپ بیٹے کے قریب ہوا چاہتا تھا کہ اچانک بیٹے نے گرج دار آواز سے کہا: خبردار! قریب آنے کی کوشش نہ کرنا، اپنی جگہ پر ہی کھڑے رہو۔

میری بیوی نے اگر دیکھ لیا تو اس کی نگاہوں میں میرا مقام ہی نہیں رہے گا۔ سنو! پیسے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے، لیکن یاد رکھو! دوبارہ کلینک پہ مجھے نظر نہ آنا۔

باپ کو یہ بات سمجھ آچکی تھی کہ اس کی امیدوں کا خوبصورت محل زمین بوس ہو چکا ہے۔ اس نے دل میں ایک پختہ عزم و ارادہ کرتے ہوئے نافرمان بیٹے کو مخاطب کر کے وہ کچھ کہا کہ اگر یہ کلام پہاڑ سن لیں تو منہدم ہو جائیں اور ان کے ٹکڑے اُڑنے لگیں۔

باپ نے نافرمان بیٹے کو کہا:

> ''تجھ پر اللہ تعالیٰ اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہو، قیامت تک تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا رہے اور ہمیشہ کے لیے بدنصیبی تیرا مقدر بن جائے۔''

ساتھ ہی بیٹے کے چہرے پر اس انداز سے تھوکا کہ اندر کی آگ جو اس بیٹے کی وجہ سے جل رہی تھی، بجھ گئی اور وہ یہ بات کہتے ہوئے واپس ہوا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں تجھ سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس نافرمان کے دل پر اس بددعا کا کوئی اثر

نہ ہوا، جو پتھر سے زیادہ سخت اور رات کے اندھیرے سے زیادہ سیاہ ہو چکا تھا۔

باپ امیدوں کے محل کو زمین بوس ہوتے دیکھ کر انتہائی پریشانی اور غمی کی حالت میں واپس گھر پہنچا، جو اس کے کلیجے کو چھلنی کر رہی تھی۔ اس نے یہ پریشان کن خبر اپنی بیوی کو سنائی۔ خبر سنتے ہی والدہ نے رونا شروع کر دیا اور خاص طور پر باپ کے زخمی دل سے نکلی ہوئی بد دعا تو اسے اور ہی پریشان کر رہی تھی۔

وائل بیوی بچوں سمیت سیر و تفریح کے لیے روانہ ہوا، وہ چھٹی کا دن بڑے ہی خوش گوار ماحول میں گزارنے کا ارادہ رکھتا تھا، کیونکہ وہ مسلسل کام کی تھکاوٹ دور کرنا چاہتا تھا۔ ایک موڑ سے گاڑی اچانک بے قابو ہوگئی اور گہرے گڑھے میں گرتے ہی وائل اور اس کی بیوی موقع پر ہی فوت ہو گئے۔ جب یہ خبر والدین تک پہنچی تو انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات، جو بڑی علیم و خبیر ہے، پر مکمل یقین آچکا تھا کہ وہ مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کرتا۔ والدین کی دعا تو خاص طور پر رد نہیں ہوتی۔ وائل کی مکمل جائیداد اور کلینک اس کے والدین کو وراثت میں مل گیا۔[1]

---

[1] وقائع أغرب من الخيال.

ماں کو قتل کرنے کے ارادے پر ہاتھ شل ہو گیا

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک نافرمان بیٹا تھا، جس کی بیوی بڑی سخت مزاج تھی، خیر نام کی کوئی چیز اس میں نہیں تھی۔ بیچاری ماں بیٹے کو بڑی نصیحتیں کرتی، لیکن بیٹا بیوی سے بہت زیادہ مرعوب ہونے کی وجہ سے ان نصیحتوں کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا۔ یہ عورت بھی کسی اور ہی ملک اور علاقے سے تعلق رکھنے والی تھی، اس طرح کی عورتوں سے شادی کرنے سے بھی پرہیز ہی کرنا چاہیے، جن کے اہلِ خانہ سے واقفیت نہ ہو، تاکہ خطرناک نتائج سے بچا جاسکے۔ اختلاف کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بیٹے نے خیال کیا کہ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ والدہ کو قتل کر دیا جائے، جب کہ بیوی بھی یہی چاہتی تھی۔

ایک دن نافرمان بیٹا ماں سے کہنے لگا کہ امی جان! سیر و تفریح کے لیے چلیں؟ ماں نے خیال کیا کہ بیٹا حسنِ سلوک کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ وہ خوشی سے گویا ہوئی کہ بیٹا! اللہ تعالیٰ تجھے سلامت رکھے اور خیر و برکت سے نوازے، ضرور چلیں گے۔ دونوں ماں بیٹا گاڑی میں سوار ہوئے، بیٹا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور گاڑی صحرا کی طرف جا رہی تھی۔ ماں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر رہے تھے اور دوسری طرف بیٹے کے دل میں اور ہی خیالات حرکت کر رہے تھے۔ گاڑی اصل راستے سے ہٹ کر ایک عام سڑک، جو ریت کے ٹیلوں اور جنگلی درندوں کے علاقے کی طرف جانے والی تھی، پر چل رہی تھی۔ گاڑی رکی،

ماں نے پوچھا: بیٹا! ہم دعوت والے گھر پہنچ چکے ہیں؟ بیٹا بولا: ہماری کسی نے کوئی دعوت نہیں کی۔ میں تو آپ کو قتل کرنے کے لیے یہاں لایا ہوں۔ آپ نے میرا اور میری بیوی کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ماں رونے لگی اور کہا: بیٹا! مجھے گھر میں اکیلا ہی چھوڑ دو۔ بیٹا کہنے لگا: لوگ طعنے دیں گے۔ ہاں! اگر میں قتل کر دوں گا تو کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ ماں کہنے لگی: اللہ تو جانتا ہے، وہ تم دونوں سے ضرور انتقام لے گا۔ بیٹے نے ماں کی اس بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: اب تو تمھیں میرے قبضے سے اللہ ہی چھڑائے گا۔ ماں نے بلند آواز سے کہا: اگر تو نے قتل کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾

[الأعراف: 34]

''جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو وہ (اپنی موت کے وقت سے) ایک گھڑی موخر ہو سکتے ہیں اور نہ ان کو موت (اپنے وقت سے) ایک گھڑی پہلے آ سکتی ہے۔''

بیٹے نے والدہ کو قتل کرنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ ماں نے کہا: اللہ کے لیے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو، جب میں تشہد میں بیٹھ جاؤں اور تشہد ختم ہونے کے قریب ہو تو مجھے قتل کر دینا، تا کہ میں اپنی آنکھوں سے قتل کا منظر نہ دیکھ سکوں۔

ماں نے اللہ تعالیٰ پر پورے اعتماد و یقین کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر نماز کی ابتدا کر دی اور بڑے ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھنے لگی۔ بیٹا حیران و پریشان بالکل خاموش نماز کے اختتام کا انتظار کر رہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ وہ مخفی سے مخفی باتوں کو جاننے والا اور مظلوم کا مدد گار ہے۔ اس

کو تو کسی کام کے کرنے کے لیے صرف ''کن'' (ہو جا) کہنے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔

وہ ابھی نماز پڑھ ہی رہی تھی کہ بیٹے کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور وہ غصے سے کانپتے ہوئے دائیں بائیں دیکھنے لگا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا، جب اسے یقین ہو گیا کہ دیکھنے والا کوئی نہیں تو اس نے ہاتھ میں ایک پتھر اٹھایا اور پیچھے کھڑے ہو کر سر میں مارنے کا ارادہ کیا کہ سر کو دو حصوں میں تقسیم کر دے۔ اچانک اس کے چیخنے کی آواز آئی، ماں نے پریشانی کے عالم میں دیکھا کہ کیا ہوا؟ دیکھا تو بیٹا زمین میں دھنس چکا تھا، ماں بڑی شفقت سے کہہ رہی تھی: میرے اکلوتے بیٹے! میرے پیارے! تجھے کیا ہوا؟ اللہ! میری تو اس کے علاوہ کوئی اولاد ہی نہیں۔

ماں اسے اپنے کمزور ہاتھوں سے پکڑے ہوئے کہہ رہی تھی کہ یہ وقت آنے سے پہلے ہی میں مر جاتی۔ اس نافرمان پر اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہو چکا تھا!!

ایک باپ

معروف ادیب علامہ علی طنطاوی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عدالت میں میرے پاس ایک ایسا شخص آیا، جو بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے چل نہیں سکتا تھا۔ وہ ڈیسک کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور پھر نیچے بیٹھ گیا۔ اس نے بات کی ابتدا ان الفاظ سے کی:

''میری بات سنیں اور میرے اوپر ظلم کرنے والے کے خلاف فیصلہ دیں۔''

پھر اس بوڑھے آدمی نے اپنا واقعہ سنانا شروع کیا: جوانی کے ایام میں مجھے کوئی جانتا نہیں تھا۔ ہمارے پاس سبزی اور فروٹ کی ایک چھوٹی سی دکان تھی، جس سے ہمیں ضروریاتِ زندگی کے لیے کچھ مل جاتا، جو سبزی بچ جاتی گھر میں پکا لیتے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، ہمیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کل کی ہم نے کبھی فکر ہی نہیں کی تھی۔ حکومت اور لوگوں سے ہم ویسے ہی الگ تھلگ تھے۔ نہ ہم نے کسی سے کبھی کوئی مطالبہ کیا اور نہ ہم ہی سے کوئی مطالبہ کرتا۔ میں ویسے بھی اَن پڑھ تھا۔ ہاں نماز پڑھنا مجھے آتی تھی اور ضرورت کے مطابق پیسوں کی گنتی بھی جانتا تھا۔ ساری زندگی حلال کمایا اور حلال ہی کھایا، ہاں صرف ایک پریشانی تھی کہ اولاد نہیں تھی، بہت سے علاج معالجے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

اسی طرح وقت گزرتا جا رہا تھا کہ میری بیوی کو حمل ٹھہر گیا، ہر طرف خوشی

کی لہر تھی، ہم گن گن کر دن گزار رہے تھے کہ وہ وقت آئے کہ ہمارے گھر میں رونق آ جائے۔ آخر وہ رات آ پہنچی، جس میں میری بیوی کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ میں نے ساری رات اسی انتظار میں گزاری۔ طلوعِ فجر کے بعد دایا ام عبدالنافع یہ خوش خبری لائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں بیٹا عطا کیا ہے۔ میری جیب میں ایک ہی ریال تھا، میں نے وہی اسے دے دیا۔

بچے کے ناز و نخرے ہم برداشت کرنے لگے، اس کی خوشی میں ہماری خوشی مضمر تھی، اس کے رونے سے گھر میں پریشانی کا سا عالم بن جاتا تھا۔ اگر بیمار ہوتا تو ہمارا جینا ہی مکدر ہو جاتا اور زندگی کا مزہ ہی خراب ہو جاتا۔ اس کا بڑا ہونا ہماری خوشیوں میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ جب اس نے بولنا شروع کیا تو ہم اس کے مطالبے کو پورا کرنے کی پر زور کوشش کرتے تھے۔ بچہ سکول جانے کی عمر کو پہنچ چکا تھا، سوچ بچار جاری تھی۔ بیوی پوچھنے لگی کہ بیٹا بڑا ہو گیا ہے، اس کے متعلق کیا پروگرام ہے؟ میں نے کہا کہ بیٹے کو اپنے ساتھ رکھوں گا، اسے اپنا کام سکھاؤں گا، بیوی کہنے لگی کہ یہ سبزی فروش بنے گا؟

میں نے کہا: ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ باپ کے اس پیشے کو حقیر سمجھ رہا ہے؟ بیوی کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں تو ضرور اسے سکول میں داخل کرواؤں گی، میری یہ خواہش ہے کہ یہ پڑھ کر سرکاری ملازم بنے، وردی اور ترکی ٹوپی سر پر سجائے، میرے شدید اصرار کے باوجود اس کی ماں نے بچے کو سکول داخل کروا دیا۔ میں پیٹ کاٹ کر بچت کرتے ہوئے اس کا خرچہ برداشت کرتا رہا۔ کلاس میں ذہین اور محنتی ہونے کی وجہ سے وہ اساتذہ کا نورِ نظر بن چکا تھا۔ پرائمری کے امتحان میں کامیاب ہوا تو میں نے بیوی سے کہا کہ اب میں اسے اپنے کام پر لگا

لوں؟ بیوی نے کہا کہ میں اس کا مستقبل برباد نہیں کروں گی۔ یہ مڈل سکول میں داخل ہو گا۔ میں نے کہا: یہ سبق تجھے کس نے دیا ہے؟ اس کو اپنے باپ دادا کے پیشے سے روگردانی کروانا چاہتی ہو؟

وہ کہنے لگی: ہماری ہمسائی کس قدر اپنے بیٹے کے مستقبل کے لیے کوشاں ہے۔ میں نے کہا: ہم برکت سے مالا مال ہیں، ہمیں ایسے لوگوں کی تقلید کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن بیوی کا اصرار غالب رہا۔ بیٹا مڈل سکول میں داخل ہو گیا، میں راضی خوشی خرچہ برداشت کرتا رہا۔ اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ اس نے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کر لی۔ میں نے کہا: ابھی تعلیم کا کوئی حصہ باقی ہے؟

بیٹا کہنے لگا: ابو جی! میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ جانا چاہتا ہوں۔

میں نے تعجب سے پوچھا: یورپ؟ اس نے کہا: میں پیرس جانا چاہتا ہوں۔

میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے بیٹے کو کافروں کے علاقے میں کبھی نہیں بھیجوں گا۔

ہمارے درمیان تکرار جاری رہا، بیٹے کی حمایت اس کی والدہ بھی کر رہی تھی۔ جب کوئی راستہ نظر نہ آیا تو میری بیوی نے اپنے زیورات فروخت کر کے میرے انکار کے باوجود اسے باہر روانہ کر دیا۔ مجھے اس پر بہت غصہ آیا۔ کافی دیر تک بائیکاٹ جاری رہا، میں اس کے خط کا جواب بھی نہیں دیتا تھا، آخر میرا دل نرم پڑ گیا، باپ کا دل تو نرم ہو ہی جاتا ہے۔ خط کتابت جاری ہو گئی اور خرچہ بحال ہو گیا، لیکن وہ ہمیشہ مطالبہ ہی کرتا رہا۔ ہم میاں بیوی روکھی سوکھی روٹی پر گزارا کرتے، لیکن اس کے مطالبے پورے کرتے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں اس

کے دوست تو واپس وطن آ جاتے، مگر وہ نہیں آیا کرتا تھا اور یہ عذر پیش کرتا کہ میں اپنا قیمتی وقت سفر میں ضائع نہیں کر سکتا۔

پھر اس کا مطالبہ اور بڑھا تو اس نے ایک سو پونڈ طلب کیے، آخری مرتبہ تو اس میں ہوشربا اضافہ ہوا کہ اس نے تین سو پونڈ کا مطالبہ جڑ دیا۔

اے میرے پیارے! ذرا سوچیے کہ ایک سبزی فروش کے لیے تین سو پونڈ کیا معنی رکھتے ہیں، جس کی کل تجارت بیس پونڈ کے ساتھ چل رہی ہے اور اس کی ایک دن کی آمدنی ایک پونڈ سے بھی کم ہے؟ ہائے افسوس! اسے یہ رقم ان ایام میں بھی پہنچائی جاتی، جب قیمتیں گر جاتیں، کام کم ہو جاتا، بے روزگاری پھیل جاتی اور جب وہ کسی مرض میں مبتلا ہو کر بیمار پڑ جاتا، وہ اور اس کی بیوی بھوکے سو جاتے۔

پھر میں نے ایک دن اسے خط لکھ کر اپنی بے بسی کا اظہار کیا اور اسے نصیحت کی کہ وہ اپنے ساتھیوں کی تقلید نہ کیا کرے، کیوں کہ ان کے گھر والے مال دار ہیں، جب کہ ہم فقیر اور بے بس ہیں۔ اس نے جواب میں ارجنٹ ٹیلی گرام بھیجا اور فوری رقم کا مطالبہ کیا۔

اے میرے محترم! آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا، جب میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ میں نے ٹیلی گرام پہلے کبھی اپنی زندگی میں موصول نہیں کیا تھا، جب ڈاک تقسیم کرنے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ٹیلی گرام میرے حوالے کیا تو اس نے میرے ہاتھ کا انگوٹھا پکڑا اور اپنی کاپی پر وہ انگوٹھا لگوایا۔ مارے خوف کے میرا تو کلیجہ حلق کو آنے لگا۔ میں نے اس کو عدالت کی طرف سے کوئی بلاوا (سمن) سمجھا۔ میں نے اس سے مدد کی التجا کی اور رونے لگا۔ وہ بے شرم مجھ پر ہنستا ہوا رخصت ہوا۔ ہماری رات بری گزری، ہم کو کچھ سمجھ نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ ہمیں

پڑھنا بھی نہیں آتا تھا کہ ہم خود ہی پڑھ لیں کہ اس پیلے کاغذ پر کیا لکھا ہوا ہے، اسی طرح صبح ہوئی کہ ہم نے رات بھر سو کر نہ دیکھا۔ میں صبح کی نماز کے لیے گھر سے نکلا تو میں نے اپنے ہمسائے کو وہ ٹیلی گرام دیا تو اس نے اسے پڑھ کر مجھے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا اور مجھے کہا کہ اپنے بیٹے کو رقم بھیجو، شاید وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو اور اسے اتنی رقم کی ضرورت ہو۔

پس میں نے آدھی قیمت پر اپنا گھر فروخت کر دیا۔ سن رہے ہیں، اے میرے دوست! میں نے دو سو پونڈ میں اپنا گھر فروخت کر دیا۔ یہ رقم اس دنیا میں میرے پاس وہ کل رقم تھی، جس کا میں مالک تھا۔ لوگوں نے مجھے ایک سود دینے والے یہودی کا پتا بتایا تو میں نے باقی کی رقم ایک سو پونڈ قرض لی اور اس کو ہر پونڈ پر نو روپے ماہانہ سود دینا طے کیا۔

اس کا مطلب ہے کہ ایک سو پونڈ قرض سال کے آخر پر سود کے اضافے کے ساتھ دو سو آٹھ پونڈ بن جائیں گے۔ سو میں نے اسے یہ رقم بھیج دی اور ساتھ ہی اسے بتا دیا کہ میں دیوالیہ ہو چکا ہوں۔

اس کے بعد تین سال تک خط کتابت کے ذریعے میرا اس کے ساتھ رابطہ منقطع رہا۔ میں نے اسے اس دوران میں جتنے بھی خط لکھے، اس نے ان کا کوئی جواب نہ دیا۔

اس کے ہم سے جدا ہوئے پورے سات سال گزر گئے، ان سالوں میں مَیں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا اور میں بے گھر ہو کر رہ گیا۔ سود پر قرض دینے والے یہودی نے میرا بہت پیچھا کیا۔ میں وہ قرض چکانے سے عاجز آ گیا۔ اس نے میرے خلاف مقدمہ کر دیا۔ حکومت نے میرے خلاف اس کی مدد و حمایت

کی۔ اس نے میرے سامنے کچھ کاغذ رکھے، جن کے متعلق میں نہیں جانتا تھا کہ ان میں کیا لکھا ہوا ہے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے ان کاغذوں پر انگوٹھے لگائے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، انھوں نے میرے خلاف یہ فیصلہ سنا دیا کہ میں اس کی مطلوبہ رقم ادا کروں، ورنہ مجھے جیل جانا پڑے گا۔

اے میرے دوست! میں جیل چلا گیا۔ جی ہاں! میں جیل چلا گیا اور میری بیوی اکیلی رہ گئی، جس کا اللہ کے سوا کوئی سہارا نہیں تھا۔ اس نے لوگوں کے ہاں کپڑے دھونے کا کام شروع کر دیا۔ وہ گھروں کی نوکرانی بن گئی اور میں نے تلچھٹ سمیت ذلتوں کا جام پیا۔

جب میں نے قید کی مدت پوری کر لی اور جیل سے رِہا ہوا تو میرے پڑوسیوں میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا: کیا تو نے اپنے بیٹے کو دیکھا ہے؟ میں نے پوچھا: میرا بیٹا؟ اللہ تعالیٰ تجھے بشارتوں سے نوازے، بتاؤ! وہ کہاں ہے؟ اس نے پوچھا: تو واقعی نہیں جانتا یا تو تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ کر رہا ہے؟ وہ ایک بہت بڑا سرکاری افسر ہے اور نئی کالونی میں ایک عالی شان کوٹھی میں اپنی فرانسیسی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا، اس کی ماں کو ساتھ لیا اور اس کے پاس جا پہنچے۔ زندگی میں بس ایک ہی خواہش تھی کہ ہم اس سے اس طرح معانقہ کریں، جس طرح اس کے بچپن میں اس سے معانقہ کیا کرتے تھے، اس کو اپنے سینوں سے چمٹا لیں اور اتنی لمبی جدائی کے بعد اسے جی بھر کر دیکھیں۔

جب ہم نے اپنے بیٹے کی کوٹھی کے دروازے پر بیل دی تو ملازمہ نے دروازہ کھولا، جب اس نے ہماری حالت کو دیکھا تو اس نے ناک منہ بگاڑا اور

پوچھا: آپ لوگ یہاں کیا لینے آئے ہیں؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم ابراہیم کو ملنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا: بک (ایک ترکی خطاب) صاحب اجنبیوں کو اپنے گھر پر نہیں ملتے۔ لہٰذا تم ان کے دفتر میں جاؤ۔ میں نے کہا: کیسے اجنبی! اری گستاخ کہیں کی! میں اس کا باپ ہوں اور یہ اس کی ماں ہے۔

جب ہمارے بیٹے نے ہمارا شور سنا تو وہ باہر نکل آیا اور پوچھا: کیا ماجرا ہے؟ اس کے پیچھے پیچھے اس کی خوبصورت فرانسیسی بیوی بھی نکل آئی۔

جب اس کی ماں نے اسے دیکھا تو وہ روتی ہوئی کہنے لگی: اے میرے پیارے ابراہیم! اس نے اپنے بازو پھیلائے اور چاہا کہ وہ اپنے آپ کو اس اوپر گرا دے، وہ اس سے دور ہٹ گیا اور اس کے کپڑوں پر جہاں اس کی والدہ کے ہاتھ لگے تھے، اس نے وہاں سے کپڑوں کو جھاڑ اور صاف کیا اور اپنی بیوی کو فرانسیسی زبان میں کچھ کہا۔ بعد میں ہم نے اس کلمے کا مطلب معلوم کیا تو ہمیں پتا چلا کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ یہ دیوانے اور پاگل ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا اور ملازم کو حکم دیا کہ وہ ہمیں وہاں سے بھگا دے۔ سو اے دوست! اس نے ہمیں ہمارے بیٹے کے گھر سے چلتا کیا۔

میں اس کا پیچھا کرتا رہا، حتی کہ ایک مرتبہ تو میں اس سے چمٹ گیا تو اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے کسی کو یہ کہا کہ میں اس کا باپ ہوں تو وہ مجھے قتل کر دے گا، پھر اس نے مجھ سے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ مال چاہتے ہو؟ میں اس شرط پر تمھارا وظیفہ مقرر کر دوں گا کہ تم مجھے ملنے نہیں آؤ گے اور نہ تم زبان سے یہ جملہ نکالو گے کہ تم میرے باپ ہو!!

اے میرے دوست! میں نے اس سے وظیفہ لینے سے انکار کر دیا، میں

واپس آ گیا اور لوگوں سے بھیک مانگنے لگا اور اس کی ماں پھر سے لوگوں کے برتن اور کپڑے دھونے کے کام میں مشغول ہوگئی، ایک وقت آیا کہ ہم عاجز آ گئے۔ بڑھاپے اور بیماری نے ہمیں کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ اب میں آپ کے پاس یہ شکایت لے کر آیا ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے؟

میں نے اس آدمی سے سوال کیا: پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمھارے بیٹے کا نام کیا ہے اور وہ کس شعبے میں کام کرتا ہے؟ اس نے تیکھی نگاہ سے میری طرف دیکھا اور کہا: کیا تم مجھے قتل کروانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: اس کے خلاف کیس تو دعوے کے بعد ہوگا اور دعوے میں اس کا نام تو لکھنا پڑھے گا۔ اس نے کہا: تب تو میں اپنے غم کی شکایت اللہ عزوجل کی جناب میں کرتا ہوں۔ میں اس سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ میرے اس نافرمان بیٹے سے میرا انتقام لے۔

پھر وہ کھڑا ہوا، مایوسی کے عالم میں اپنی ٹانگ گھسیٹتا ہوا چل پڑا، وہ ایسا گیا کہ پھر کبھی پلٹ کر نہ آیا۔ رہا اس کا بیٹا تو بلاشبہ اس کے ساتھ ایسا ہونے والا ہے کہ اس کی اولاد میں سے کوئی اُٹھ کر اس کے ساتھ یہی سلوک کرے گا، جو سلوک اس نے اپنے باپ کے ساتھ کیا۔ ایسا کیوں نہ ہو، مثل مشہور ہے:

"کما تدین تدان" "جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے!"[1]

---

[1] قصص من الحياة للشيخ علي الطنطاوي [ص: 52-57] بتصرف.

ایک نصیحت آموز واقعہ

وہ اپنی والدہ کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتا اور گالی گلوچ کیا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے طاقت وقوت عطا کی، لیکن وہ اس کا غلط استعمال کر رہا تھا۔ ماں بیچاری بڑے ہی پیار سے کہتی: بیٹا! اتنی سرکشی اور زیادتی اچھی نہیں۔ اس کے رویے سے تنگ آ کر لوگ اس سے نفرت کرنے لگے تھے اور بیوی بھی اسی سختی کے نتیجے میں اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

خدمت کے لائق بوڑھی والدہ اس کی دن رات خدمت کرتی اور رو رو کر دعائیں کرتی: اللہ! میرے جگر گوشے کو ہدایت عطا فرما۔ کیوں کہ وہ اپنی ماں کا اکلوتا ہی بیٹا تھا۔ ماں بیچاری اس امید پر مصیبت برداشت کر رہی تھی کہ کبھی تو اسے ہدایت مل ہی جائے گی، مگر اس کی سختی میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا تھا اور معاملہ انتہا کو پہنچ گیا۔ ایک دن اس نے بڑی زوردار آواز سے ماں کو مخاطب کیا: ابھی تک ناشتا تیار نہیں ہوا؟

بوڑھی والدہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ناشتا تیار کرنے لگی، جو بڑھاپے اور مسلسل بیماریوں کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھی۔ نوجوان کو کھانا پسند نہ آیا، اس نے کھانا زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگا: ساری عمر گزر گئی کھانا پکانا نہیں آیا، پتا نہیں کب تجھے موت آئے گی اور میری جان چھوٹے گی۔ ماں نے روتے ہوئے کہا: بیٹا! اللہ سے ڈرو! کیا تم کو جہنم سے ڈر نہیں لگتا؟ تم

اور لوہے کا ایک ٹکڑا اس کے جسم میں داخل ہو گیا، اس کی زندگی بچ گئی، اللہ نے اسے مہلت دے دی۔ کئی ایک آپریشن ہوئے اور یہ نافرمان چار پائی پر بے جان پڑا نہ حرکت کر سکتا تھا اور نہ بول ہی سکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔[1]

[1] من الحياة، مجموعة قصصية، نوال بن عبدالله [ص: 54-56]

ماں نے بیٹا قتل کر دیا...؟

خلافِ معمول کمرہ عدالت لوگوں سے کچھا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دوسری طرف عدالت کے کٹہرے میں پچاس سالہ خاتون تھی، جس کے چہرے پر پریشانی اور غصے کے آثار تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بیٹی بھی تھی، جس کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ سارا ہجوم ان کے خلاف تھا، دونوں ماں بیٹی نے مل کر اپنے ہی بیٹے کو قتل کر دیا تھا۔

جج اس خاتون کو مخاطب کرتے ہوئے بولا:

آپ نے اپنے بیٹے کو کیوں قتل کیا؟

خاتون خاموش رہی، کوئی جواب نہ دیا۔

پھر جج صاحب نے اس خاتون کی بیٹی سے پوچھا:

آپ نے اپنے سگے بھائی کو کیوں قتل کیا؟

بیٹی: پہلے امی جان جواب دیں، پھر میں جواب دوں گی۔

جج خاتون کی طرف متوجہ ہوا اور سخت لہجہ میں مخاطب ہوا، تاکہ معاملہ واضح ہو جائے اور اس عجیب و غریب کیس کا فیصلہ بالکل انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو جائے۔ جج کی گفتگو ابھی جاری ہی تھی کہ ایڈووکیٹ نے یہ مطالبہ سامنے رکھ دیا کہ دونوں ماں بیٹی کو پھانسی دی جائے۔

لیکن خاتون ابھی تک خاموش کھڑی تھی، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ جج

نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ سزا تو پھانسی ہی ہے۔

خاتون اور اس کی بیٹی کی مسلسل خاموشی جج کو پریشان کر رہی تھی، اب کیا کیا جائے؟ یہ فیصلہ کیسے کیا جائے؟ مجلسِ مشاورت میں قاضی نے کہا: جناب! جب تک یہ خاتون اپنی زبان سے تفصیلات نہ بتائے، اس وقت تک سزا نہیں سنائی جائے گی۔

جج اپنے دیگر ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ یہ خاتون اس عمر میں ایسا جرم بغیر کسی سبب کے نہیں کر سکتی۔ جج نے کیس کی فائل دوبارہ پڑھنی شروع کی۔ اس میں یہ بات لکھی ہوئی تھی کہ خاتون کا اپنا اقرار ہے کہ دونوں ماں بیٹی نے مل کر بیٹے کو قتل کیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گھر کے صحن میں ہی دفن کر دیا۔

اس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ دس سالہ چھوٹی بچی نے (جو اس خاتون کی نواسی تھی) لوگوں کو خبر دی کہ میری نانی اور امی دونوں نے مل کر ماموں کو قتل کیا ہے۔ لوگوں نے پولیس کو اطلاع کر دی۔ جج کو یہ بات سمجھ آ چکی تھی کہ اس مشکل ترین مسئلے کا حل یہ ہے کہ اس بچی کو لایا جائے اور اس سے ساری معلومات لی جائیں۔

جج نے فیصلہ موخر کر دیا اور حکم جاری کیا کہ اس بچی کو بھی لایا جائے۔ جج کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بچی کو عدالت میں لایا گیا، لیکن ایک علاحدہ مقام پر جہاں بالکل پر سکون ماحول ہو۔ کسی قسم کا خوف اور رعب بچی پر نہ پڑے۔ بڑے ہی پیار اور شفقت سے بچی کو کرسی پر بٹھا کر مشروب پیش کیا گیا۔ کافی دیر بچی کو جج بہلاتا رہا۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ بچی بالکل بے خوف ہو چکی ہے تو جج نے بچی سے اس کے ماموں کے قتل کی تفصیل پوچھنا شروع کی۔

بچی: میں اپنے ماموں کو ناپسند کرتی تھی۔

جج: اس کی وجہ کیا ہے؟

بچی: اس لیے کہ وہ میری نانی جان کو مارا کرتا تھا، وہ پیسوں کا مطالبہ کرتا، لیکن ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے۔

جج: آپ کی نانی اس کو کیا جواب دیتی؟

بچی: نانی جان کہتی کہ تو مومن ہے؟! جب بھی جھگڑا ہوتا تو یہی کہتی تھیں اور کبھی یہ بھی کہہ دیتی کہ ایمان تجھے برباد کر دے گا۔ یہ بات میرے لیے بڑی پریشان کن تھی، کیونکہ سکول میں مَیں یہ بات پڑھ چکی تھی کہ ایمان تو بڑی عظیم چیز ہے۔

جج: بیٹے ایمان تو بڑی اعلیٰ چیز ہے، آپ کی نانی اسے یہ کہتی ہوں گی کہ تو نشہ کرتا ہے، یعنی "مُدمِنٌ" اور یہ نشہ تجھے برباد کر دے گا۔

بچی: ہاں! یہ بات درست ہے۔

یہ بات سمجھنے کے بعد بچی نے وہ واقعہ تفصیل سے بتانا شروع کیا، لیکن بچی پر خوف و رعب طاری ہو رہا تھا۔ ایک دن نانی جان، امی جان اور میں اپنے کمرے میں سوئے ہوئے تھے کہ اچانک ماموں کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ مجھے اٹھانا چاہتے تھے، لیکن میری امی اور نانی بیدار ہو گئیں۔ نانی جان باورچی خانے سے ایک بڑی چھری لائیں اور ماموں کی پشت پر پے در پے وار کیے۔ بچی واقعہ بیان کرتے ہوئے رو رہی تھی، یہاں تک کہ بچی نے ساری تفصیلات جج کے سامنے بیان کیں، جج نے بات روک دی۔

جج اور عدالت کے دوسرے لوگ مجمع عام میں تشریف لائے اور خاتون سے مخاطب ہوا، میرے سوال کا جواب مختصر انداز میں ہاں یا نا میں دینا ہو گا،

ہمیں ساری بات سمجھ آ چکی ہے اور آپ کی خاموشی کی اب کوئی گنجایش نہیں۔

جج: آپ کا بیٹا نشہ کرتا تھا؟

خاتون: جی ہاں۔

جج: بھنگ پیتا تھا؟

خاتون: بھنگ نہیں، ہیروئن۔

جج: کیا وہ آپ سے مال کا مطالبہ نہیں کرتا تھا؟

خاتون: جی کرتا تھا۔

جج: بیٹے نے آپ کی نواسی پر زیادتی کرنا چاہی؟

خاتون: جی ہاں۔

جج: یہ وہ بات ہے جس کی وجہ سے تو نے بیٹے کو چھری سے ذبح کر دیا۔

خاتون: نہیں۔

یہاں پہنچ کر قاضی ایک مرتبہ پھر پریشان ہو گیا، لیکن وہ ہر حال میں مکمل تحقیق چاہتا تھا۔ خاتون نے تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا:

میرا خاوند فوت ہو گیا، میرے پاس دو ہی بچے تھے، ایک بیٹا اور بیٹی۔ بیٹے کے متعلق میرے دل میں بہت سی خواہشات تھیں کہ بیٹا جوان ہو کر میرا معاون بنے گا، یہ بڑا افسر، انجینئر، ڈاکٹر یا کم از کم پروفیسر بنے، جیسا کہ اس کا باپ بھی پروفیسر تھا، تعلیم ایسی چیز ہے جس میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔

بیٹا جوان ہوا تو بُرے دوستوں کے ساتھ چلنے لگا، اس نے سگرٹ نوشی شروع کر دی اور سگرٹ نوشی کے لیے پیسے مانگنے لگا، اس وقت اس کی عمر پندرہ سال ہو چکی تھی۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے میں اس کے ساتھ بہت زیادہ محبت

کرتی تھی، جب دیکھا کہ یہ پڑھنے کے قابل نہیں تو اسے کام سکھانے کی کوشش کی لیکن وہ بھی ناکام۔ میری پریشانی میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا تھا۔

بیٹی جوان ہوئی تو میں نے اس کی شادی کی، وہ اپنے گھر چلی گئی اور ہم ماں بیٹا اپنے گھر میں رہ رہے تھے۔ ایک مرتبہ اچانک میں اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ وہ ہیروئن بڑی ڈھٹائی سے ہیروئن پی رہا ہے۔ میں دیکھتے ہی حیران و پریشان رہ گئی، میں نے رونا اور چیخنا شروع کیا۔ مجھے اس بات کا علم تھا کہ اس کا نتیجہ موت ہے۔ وہ نشے میں ڈوبا ہوا باہر نکلا اور میرے چہرے پر زور سے تھپڑ مار دیا، میرے ذہن میں یہ بات گھومنے لگی: اچھا ماں کو تھپڑ مار دیا؟

بس یہ واقعہ پیش آتے ہی ساری محبت دل سے ختم ہوگئی۔ میں چاہتی تھی کہ اسے قتل کر دوں، لیکن وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور تھا۔

تو میرا بیٹا ہی نہیں، تُو تو درندہ ہے، انسان نہیں۔

امید کی آخری کرن بھی ختم ہو چکی تھی، پریشانی کے عالم میں زندگی کے ایام گزر رہے تھے، حالات نے یہ رخ اختیار کیا کہ وہ مجھ سے زبردستی مال چھیننے لگا اور میری پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ آخر اس سے چھٹکارا کیسے ممکن ہے؟ دل میں خیال پیدا ہوتا کہ اسے پولیس کے حوالے کر دوں؟ شاید اس کی اصلاح کی صورت نکل آئے۔ یہ غور و فکر کا مرحلہ جاری تھا کہ اچانک رات کے تین بجے میرے کمرے میں آیا، بڑی عجیب و غریب حالت تھی، میرے ساتھ زیادتی کے ارادے سے آگے بڑھا اور میرے کپڑے پھاڑ دیے، میں بچ کر باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئی اور پھٹے ہوئے کپڑوں سمیت چلتی ہوئی اپنی بیٹی کے دروازے پر زور سے دستک دی۔ بیٹی کے خاوند نے دروازہ

کھولا اور بیٹی بھی بیدار ہو چکی تھی، مجھے اس حالت میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئی، اللہ کا شکر ہے کہ رات کا وقت تھا، کسی نے میری اس حالت کو نہ دیکھا۔ بیٹی نے پوچھا: امی کیا ہوا؟ میں نے حقیقت بتانے کے بجائے یہ بات کی کہ چور گھر میں گھس آئے تھے اور انھوں نے میرے کپڑے پھاڑ دیے اور میں بھاگنے میں کامیاب ہوگئی۔ بیٹی کہنے لگی: بھائی گھر نہیں تھا؟

دونوں نے مجھے تسلی دینے کی کوشش کی۔ صبح ہوئی بیٹی کا خاوند اپنے کام پر چلا گیا تو میں نے بیٹی کو سارا واقعہ سنا دیا۔ بیٹی کہنے لگی: امی آپ ہمارے ساتھ ہی رہیں۔ ایک ماہ تک میں وہاں رہی۔ میرا خیال تھا کہ بیٹا ہیروئن پیتے ہوئے مر چکا ہوگا یا کہیں جا چکا ہوگا، لیکن یہ امید ہی رہی حقیقت نہ بن سکی۔

ہم تینوں (میں، بیٹی اور نواسی) گھر آئے دیکھا تو وہ گھر کا بہت سا سامان فروخت کر چکا تھا۔ پہلے کی طرح رات کے تین بجے بیٹا ہمارے کمرے میں داخل ہوا، اس مرتبہ وہ چھوٹی بچی پر زیادتی کرنا چاہتا تھا، بچی کو چھڑانے میں جب ناکامی نظر آئی تو میں نے چھری سے اس کی پشت پر پے در پے وار کیے، جس سے وہ قتل ہوگیا۔

میں لاش کے پاس بیٹھ کر رونے لگی کہ یہ میرا بیٹا تھا؟

جج صاحب! میں نے ہی بیٹے کو قتل کیا ہے۔

اس مکمل واقعہ کے دوران میں ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بچی سو رہی ہے، لیکن خوف کے مارے اس نے کپڑا منہ پر ڈال رکھا تھا۔

اب ہمیں یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس لاش کا کیا کریں؟ کافی سوچ بچار کے بعد یہ ترکیب سوجھی کہ گھر کے صحن میں قبر کھود کر دفن کر دیں اور لوگوں سے کہہ

دیں گے کہ بیٹا فوت ہو گیا ہے یا کہیں چلا گیا ہے۔ لیکن ٹھیک ایک ماہ بعد پولیس ہمارے گھر پہنچ گئی اور گھر سے لاش بھی برآمد ہو گئی۔ یہی میری داستان ہے۔

جج دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا، ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، کمرۂ عدالت میں تمام لوگ خاموشی سے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے، جج نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ ماں بیٹی دونوں کو عدالت بَری قرار دیتی ہے۔[1]

[1] شباب في دائرة الاعتراف (المدمنون يعترفون) لوجيه أبو ذكرى [ص: 56-63]

ماں کی بددعا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ: عِيسَى بْنُ مَرْيَم ... الخ»

''صرف تین بچے ایسے ہیں جنھوں نے بچپن (دودھ پینے کی عمر) میں کلام کیا: ① عیسیٰ علیہ السلام ② وہ بچہ جس نے جریج کی گواہی دی ③ وہ بچہ جو اپنی ماں کی گود میں دودھ پی رہا تھا۔''

جریج ایک عابد و زاہد تھا، اس نے جنگل میں ایک معبد بنا رکھا تھا، جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ ایک دن جریج نماز پڑھنے میں مصروف تھا کہ اس کی والدہ ملاقات کے لیے تشریف لائی اور اپنے بیٹے جریج کو آواز دی۔ جریج سوچ میں پڑ گیا کہ اللہ کی عبادت کو مقدم رکھوں یا والدہ کی بات سن لوں؟ جریج نے نماز جاری رکھتے ہوئے ماں کی ملاقات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ دوسرے دن والدہ دوبارہ ملاقات کے لیے آئی، اتفاق سے آج بھی جریج نماز میں مصروف تھا۔ تیسرے دن پھر والدہ ملاقات کے لیے آئی تو پھر بھی جریج نے نماز چھوڑ کر ماں سے ملاقات نہ کی۔ ماں کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: یا اللہ! جریج کو اس وقت تک موت نہ آئے، جب تک زانیہ عورت سے اس کا پالا نہ پڑے۔

بنی اسرائیل میں جریج کی عبادت کے چرچے تھے۔ ایک زانیہ اور فاحشہ عورت جس کا حسن و جمال بڑا ہی معروف و مشہور تھا، کہنے لگی: اگر اجازت ہو تو

میں جریج کا تقوی آزما لوں؟ اس نے جریج کو برائی کی خود دعوت دی، لیکن جریج نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جریج کے معبد کے قریب ہی بکریوں کا ایک چرواہا رہتا تھا، اس نے اس سے زنا کروایا جس سے بچہ پیدا ہو گیا، لوگوں سے کہنے لگی یہ بچہ تو جریج کا ہے۔ لوگوں نے جریج کو عبادت خانے سے نیچے اتار لیا اور مارنا شروع کیا، جریج پوچھنے لگا: تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ مجھے کیوں مارتے ہو؟

لوگوں نے کہا: تم نے فلاں عورت سے زنا کیا، جس سے بچہ پیدا ہوا ہے:

جریج کہنے لگا کہ بچہ کہاں ہے؟ اسے میرے پاس لاؤ۔ جریج نے نماز پڑھی اور بچے کے پیٹ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: تیرا باپ کون ہے؟ بچہ بول اٹھا کہ میرا باپ تو فلاں آدمی ہے جو بکریاں چرانے والا ہے۔ لوگ جریج کی منتیں کرنے لگے، اس کے ہاتھ وغیرہ چومنے شروع کر دیے اور عرض کرنے لگے اجازت ہو تو ہم آپ کا معبد سونے چاندی کا بنا دیں، جریج نے کہا کہ میرا ویسا ہی عبادت خانہ تعمیر کر دو، جیسا پہلے بنا ہوا تھا تو لوگوں نے اس کا عبادت خانہ دوبارہ تعمیر کر دیا۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم الحدیث [6509]

احسان فراموشی

ایک تاجر کا یہ معمول تھا کہ وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے کچھ وقت پہلے دونوں موسموں میں ایک موٹا تازہ بیل ذبح کرتا، غربا کو ایک لائن کی شکل میں کھڑا کر کے باری باری نام لے کر بلاتا اور گوشت کے پیکٹ ان میں تقسیم کر دیے جاتے۔ غربا پیکٹ وصول کرتے اور اس تاجر کے لیے دعائیں کرتے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے چلے جاتے۔ اس تاجر کا قصہ یہ ہے کہ وہ ایک دور دراز بستی سے آیا ہوا تھا۔ حالات نے پلٹا کھایا، قسمت نے ساتھ دیا، غربت جاتی رہی اور وہ ایک بہت بڑا تاجر بن گیا۔ اس نے اپنی بستی سے بالکل رابطہ منقطع کر لیا، کسی کو اس کے خاندان کے متعلق کوئی معلومات نہیں تھیں، پھر اس نے ایک اونچے گھرانے میں شادی کر لی۔

ایک مرتبہ اس کی وہ بستی، جس میں اس کے والدین رہایش پذیر تھے، وہاں سے ایک آدمی آیا تو اس نے اس تاجر کو پہچان لیا کہ یہ تو ہمارے گاؤں کا آدمی ہے۔ وہ اس کی یہ شان و شوکت دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس تاجر سے مخاطب ہوا کہ کل میں بستی میں واپس جا رہا ہوں، تم مجھے یہ گوشت دے دو، تاکہ میں تمھارے والدین کو، جو بہت محتاج ہیں، پہنچا دوں۔ یہ بات سنتے ہی تاجر سخت غصے میں آگیا اور کہنے لگا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ کہنے لگا: آپ کے والدین بہت زیادہ محتاج ہیں اور بھیک مانگ کر گزارا کر رہے ہیں۔

تاجر کہنے لگا کہ ان لوگوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرو۔ میرے سسرال کو میرے والدین اور بہن بھائیوں کے متعلق کوئی خبر نہیں ہے۔ اگر انھیں یہ معلوم ہوتا تو میری شادی کبھی اتنے امیر گھرانے میں نہ ہوتی، مَیں اسی لیے پورے گاؤں سے لاتعلق ہو چکا ہوں، تاکہ میرا یہ راز فاش نہ ہو سکے۔ یہاں میری بڑی شہرت اور عزت ہے۔ وہ فقیری والے ایام مجھے یاد کروا کر پریشان نہ کرو۔

تاجر کی یہ گفتگو سن کر وہ آدمی انتہائی پریشانی کے عالم میں واپس چلا گیا۔[1]

---

[1] طرائف و مسامرات [ص: 189]

نافرمانی کی سزا

سعودی عرب کے مشہور شہر دمام کا واقعہ ہے کہ ایک نوجوان، جس کی عمر تقریباً چوبیس سال تھی، رات کے وقت صحیح سالم سویا، جب صبح بیدار ہوا تو اس کے ایک ہاتھ کو فالج ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ اتنا معروف ہے کہ اخبارات میں شائع ہوا۔

وہ والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، جس کا کام گالی گلوچ کرنا تھا۔ دینِ حنیف کی تعلیمات سے بالکل دور تھا، جن میں والدین کی اطاعت اور احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ والد کی وفات کے بعد تو بیچاری والدہ پر اس نے زیادہ ہی ظلم شروع کر دیا اور اس کا اصل سبب یہ تھا کہ والدہ اس کو منع کرتی کہ بیٹا! بُرے دوستوں کے ساتھ چلنا چھوڑ دو، تعلیم کا مسئلہ ہے، ورنہ ناکام ہو جاؤ گے۔

والدہ کے کافی سوچ بچار اور اپنے سارے حربے استعمال کرنے کے بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی کہ وہ اپنے بیٹے کی اصلاح کے لیے اس کے ماموں کو بتائے، کیونکہ وہ بچپن میں اپنے ماموں سے بہت ڈرتا تھا اور اس کی بات کو مان لیا کرتا تھا، اسی امید پر اس نے کہا: بیٹا! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمھارے ماموں کو بتاؤں گی، یہ بات سنتے ہی وہ بہت غصے میں آ گیا، اس نے جوتا اتارا اور بوڑھی والدہ کو مارنا شروع کیا، ماں بیچاری اپنے نافرمان بیٹے کا یہ سلوک دیکھ کر اپنی قسمت پر رونے لگی، ظلم کی بھی آخر کوئی انتہا ہوتی ہے۔ ماں کا دل تو بہت نرم ہوتا ہے، لیکن اگر اولاد مسلسل ظلم کرتی جائے اور ظلم کی بھی انتہا ہو

جائے تو اس نرم و نازک دل سے بھی کبھی بد دعا نکل ہی جاتی ہے۔

ایسا ہی ہوا کہ روتے ہوئے اس ماں کی زبان سے اپنے بیٹے کے خلاف بد دعا نکلی اور یہ آسمان کو چیرتی ہوئی عرش تک جا پہنچی اور فوراً رب العزت کے دربار میں قبولیت حاصل کر گئی۔ کبھی وقت بھی قبولیت کا ہوتا ہے کہ منہ سے نکلتے ہی وہ بات فوراً پوری ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایسا ہی وقت تھا کہ رات کو یہ نافرمان بیٹا مزے کے ساتھ سویا، صبح اٹھا تو دایاں ہاتھ بے حس و بے حرکت ہو چکا تھا۔

اب یہ اپنی نافرمانی پہ شرمندہ ہو رہا تھا، دروازہ بند کر کے روتا رہا، لیکن اب یہ رونا بے سود و بے کار تھا۔ ادھر ماں بھی اپنے لخت جگر کی اس حالت کو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی، لیکن کچھ نہیں کر سکتی تھی، لہٰذا ہر نوجوان کو اللہ تعالیٰ کا عذاب سامنے رکھتے ہوئے والدین کی نافرمانی سے گریز کرنا چاہیے اور اس واقعے سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔[1]

---

(1) دیکھیں: جریدۃ "الجزیرۃ" العدد [8319]

ابا جان! جب آپ بوڑھے ہوں گے...؟

ہمارے پڑوس میں ایک درمیانے طبقے کا آدمی رہائش پذیر تھا، اس کا بوڑھا باپ بھی اس کے ساتھ رہا کرتا تھا، بڑھاپے کی وجہ سے اس کے کچھ حواس کھو چکے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس آدمی کے حالات تبدیل ہو گئے اور اچانک اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی دولت سے نواز دیا کہ اس کا تصور تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہ کیا ہوگا۔

اس نے بڑے جدید طریقے سے عمدہ محل تیار کیا، بڑا قیمتی قسم کا فرش بنوایا، نہایت اعلیٰ اور قیمتی فرنیچر اور پردوں کا اہتمام کیا۔ اس کی بیوی اس کے بوڑھے باپ کو، جو اس کی بیوی کا رشتے میں چچا لگتا تھا، اچھا نہیں سمجھتی تھی، اس کا یہ کہنا تھا کہ یہ بوڑھا جہاں چاہتا ہے بیٹھ جاتا ہے، ہمارے قیمتی گھر کا خیال نہیں کرتا۔ بیوی نے آخر ایک دن اپنے خاوند سے کہہ ہی دیا کہ اس بوڑھے کو اوپر والی منزل میں منتقل کر دیا جائے، اس کے برتن بھی وہاں ہی ہوں گے، کھانا اس کو وہاں ملے گا۔ خاوند نے بیوی کی بات کو بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے کہا کہ ایسے ہی ہوگا۔ کچھ عرصہ گزرا تو بیوی اور اس کے بچے بوڑھے باپ کو اوپر کھانا دینے سے تنگ آ گئے۔ اب بیوی کہنے لگی: بار بار اوپر جانا ہمارے بس میں نہیں، نیچے والا کمرہ جو سڑک اور دروازے کے قریب ہے، وہاں اس بوڑھے کو لے جاؤ۔ خاوند نے پھر پہلے کی طرح ہی کیا اور فوراً بیوی کی بات مان

لی۔ اس کمرے میں برتن الگ رکھ دیے گئے اور اکیلے بوڑھے باپ کو کھانا دیا جاتا، اس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ ایک مرتبہ جب سارے مل کر کھانا کھا رہے تھے تو اس آدمی کے چھوٹے سے بچے نے اپنے باپ کو اچانک مخاطب کرتے ہوئے کہا: ابا جان! دادا جی کا کھانے والا برتن ان کی وفات کے بعد میں اپنے پاس رکھوں گا۔

باپ: بیٹا تم اس کا کیا کرو گے؟

بیٹا: ابا جان! جب آپ بوڑھے ہوں گے تو اس برتن میں آپ کو کھانا دیا کروں گا۔

باپ جو کھانا کھا رہا تھا، لقمہ منہ میں تھا، وہیں رک گیا، بڑی مشکل سے لقمہ حلق سے نیچے اتارا، آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے، اس چھوٹے سے معصوم بیٹے کی بات سن کر قریب تھا کہ موت ہی واقع ہو جائے، باپ نے پانی پیا اور فوراً اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا:

کان کھول کر سن لو! آج کے بعد میں کھانا اور چائے اپنے بوڑھے والد کے ساتھ ہی کھاؤں اور پیوں گا۔ کھانا اٹھاؤ! ہم اکٹھے کھائیں گے، یہ آدمی ایک لقمہ اپنے اور ایک لقمہ بوڑھے باپ کے منہ میں ڈال رہا تھا۔ اب اس بوڑھے باپ کو ایک خاص کمرے میں لایا گیا، جس کے ساتھ والے کمرے میں یہ آدمی خود رہتا تھا، اب صبح و شام یہ اپنے والد کی خبر گیری کرتا اور آتے جاتے سلام لیا کرتا تھا۔ چند مہینوں کے بعد وہ بوڑھا باپ فوت ہو گیا، اب بیٹے کا اپنے باپ کے ساتھ معاملہ مکمل طور پر درست ہو چکا تھا، جس سے اس کا انجام بہت اچھا ہو گیا۔

ایک معصوم بچے کی بات نے اپنے والد کو نافرمانی سے بچا لیا۔[1]

---

(1) سوالیف المجالس [ص: 14]

بیٹا! مجھے عزیزوں کے گھر لے چلو

ایک ستائیس سالہ نوجوان جو صاحبِ فراش ہے اور بیٹھنے کے قابل بھی نہیں، وہ اپنی داستان خود بیان کرتا ہے کہ ایک دن میری والدہ محترمہ نے کہا: ''بیٹا! مجھے فلاں عزیز کے گھر لے چلو۔ بیٹا! ان کے ہمارے اوپر حق ہیں، ان کے ہاں جانا ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ میں نے والدہ کو ڈانٹ کر خاموش کرا دیا، والدہ کے اصرار کو دیکھ کر میں نے کہا: ایک شرط پر آپ کو لے جاؤں گا، وہ شرط یہ ہے کہ میں آپ کو وہاں چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد آ کر گاڑی کا ہارن ایک ہی مرتبہ بجاؤں گا، آپ باہر آ گئیں تو ٹھیک، ورنہ چھوڑ کر چلا آؤں گا۔ ماں راضی ہوگئی، میں نے اپنی شرط کے مطابق عمل کیا اور تیزی سے ماں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ تیزی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا کہ اچانک حادثہ پیش آ گیا، جس کے نتیجے میں میرا سارا جسم بے حس و حرکت ہو گیا، صرف سر ہی ایسا ہے جسے حرکت دے سکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عافیت عطا فرمائے۔

22695

پیالے سے میں نے دوسروں کو پلایا ہے، میری عمر ستر برس ہو چکی ہے اور میں ایک حادثے کے نتیجے میں معذور ہو گیا ہوں۔

آیئے! میں آپ کو اپنی داستان خود سنانا چاہتا ہوں اور وہ کچھ یوں ہے کہ یہی سلوک میں اپنے والدین سے کر چکا ہوں، جو میرے ساتھ ہو رہا ہے۔ جب میں جوان ہوا تو میرے والد محترم نے ایک دین دار اور اچھے گھرانے کی لڑکی سے میرا نکاح کرنا چاہا، لیکن میں نے انکار کر دیا اور اپنی مرضی کی لڑکی سے شادی کر لی اور اس شہر کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ والدین بوڑھے ہو چکے تھے، میں تین یا چار سال کے بعد ایک مرتبہ ملنے کے لیے آیا کرتا تھا، وہ بھی میری طرح معذور تھا، میرا دل بہت سخت تھا، میں ان کی کوئی خدمت نہ کرتا۔

میرے عزیز و اقارب اگر مجھے مجبور کرتے کہ تم اپنے والد کی خدمت نہیں کرتے تو میرا یہ جواب ہوتا کہ میں کام کاج چھوڑ کر اس کے پاس ہی بیٹھا رہوں؟ جب کبھی وہ کسی تعاون کا مطالبہ کرتا تو میں ہزار بہانے کر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتا اور میں اس انتظار میں تھا کہ کب اسے موت آئے اور میں اس کی جائیداد کا وارث بن سکوں اور یہ انتظار بھی ایسے ہی تھا جیسا کہ کوئلوں پر کھڑا ہونا ہے، اب میری اولاد بھی میرے مرنے کا انتظار کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے۔ آمین[1]

[1] جريدة عكاظ في (٢/ ٢/ ١٤١٢هـ)

دل کی آواز

معروف واقعہ ہے کہ ایک خوب صورت بیوہ عورت اپنے اکیلے بیٹے کے ہمراہ رہا کرتی تھی۔ جوانی کے عالم میں اس کا خاوند فوت ہو چکا تھا، اس بچے کی خاطر اس نے شادی نہ کی۔ اس عورت کا پڑوسی انتہائی خبیث انسان تھا، ایک دن وہ اس کے خیمے میں داخل ہوا، اس کا ارادہ برائی کا تھا، لیکن یہ عورت انتہائی نیک اور تقوے والی تھی، اپنی عزت بچانے میں کامیاب ہوئی اور اس آدمی کو کہا کہ تیری یہ شکایت قبیلے کے رئیس کو لگاؤں گی اور تجھے ذلیل کروں گی۔ رئیس بڑا انصاف پسند اور سخت سزا دینے میں معروف تھا۔ یہ آدمی وہاں سے بھاگا اور دل میں بُرا ارادہ لیے ہوئے نکلا، اس کی نوجوان بیٹی تھی، جو انتہائی خوبصورت تھی، اس لڑکی کے ساتھ اس خاتون کا بیٹا محبت کرتا تھا، اس لڑکے نے مطالبہ کیا کہ میرے ساتھ شادی کر دو، لیکن یہ شخص تیار نہ ہوا، لیکن اس واقعہ کے بعد یہی آدمی اس نوجوان کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کرنے کو تیار ہوں۔ میری بیٹی بھی تجھے پسند کرتی ہے اور تو قبیلے میں سب سے زیادہ خوبصورت اور اچھا لڑکا بھی ہے، میں اپنا سارا مال و دولت تجھے دے دوں گا، ایک اچھا محل تعمیر کروا دوں گا، تم عیش سے زندگی گزارنا، لیکن میری ایک شرط ہے۔

نوجوان: ایک شرط، میں تو ہزار شرطیں قبول کرنے کو تیار ہوں۔

آدمی: ہاں صرف ایک شرط اور وہ شرط یہ ہے کہ اپنی ماں کا دل نکال کر لے

آ ؤ، وہ نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کے ساتھ تیرا نکاح ہو، وہ رکاوٹ بن رہی ہے، اسے دور کر دو۔

نوجوان: کافی دیر سر کو جھکائے پریشان سوچتا رہا، ماں کا دل نکال لاؤں؟

آخر نوجوان بولا: مجھے یہ شرط بھی منظور ہے، اس آدمی نے نوجوان کو اپنے پاس سے تیز خنجر دیا، نوجوان دل میں (بُرا) ارادہ لیے ہوئے روانہ ہوا، ماں کے کمرے میں داخل ہوا، ماں سوئی تھی، نوجوان کی آنکھیں سرخ تھی اور پسینا چھوٹ رہا تھا، اس حالت میں ماں کے سینے میں خنجر پیوست کیا اور دل نکال کر چلنے لگا، خون کا فوارہ پانی کی طرح بہتا ہوا دیکھ کر گھبرا گیا اور جلدی کی وجہ سے گر پڑا، چوٹ لگنے سے چیخ پڑا اور دل ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار فرماتے ہوئے دل میں قوتِ گویائی پیدا فرما دی، دل سے آواز آئی: میرے بیٹے! تجھے کیا ہوا؟ تو کیوں رو رہا ہے؟ تجھے چوٹ لگی ہے؟ نوجوان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، چہرہ زرد پڑ گیا اور جسم کانپنے لگا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنے کیے پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے نوجوان نے اپنے آپ کو اسی خنجر سے قتل کرنا چاہا، ماں جو موت و حیات کی کشمکش میں تھی، دیکھ کر اپنی انتہائی کمزور آواز سے کہنے لگی: بیٹا! میرے ایک دل کو تو نے نکال لیا۔ اب دوسرے دل کو قتل نہ کرنا اور میرے لیے پہلی مصیبت ہی کافی ہے دوسری مصیبت کھڑی نہ کرنا، تو میرا دوسرا دل ہے، اسے قتل نہ کرنا۔

جب قبیلے کے سردار کو سارے معاملے کا علم ہوا تو اس نے پڑوسی اور نوجوان کو پھانسی کا حکم دیا۔

یہ واقعہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے، افسانہ نہیں۔ یہ شام کے ایک علاقے میں رونما ہوا تھا، یہ انتہائی نصیحت آموز واقعہ ہے۔ فاعتبروا یا أولی الأبصار.

وہ ہمیں چھوڑ گیا...؟

ایک مسلمان خاتون دکھوں سے بھری ہوئی اپنی داستان خود بیان کرتی ہے، جس کے ہر لفظ میں ندامت کے آنسو ٹپک رہے ہیں۔

چھوٹی عمر میں میری شادی ایک نہایت ہی اچھے نوجوان سے ہوئی، جو بڑا نیک اور والدہ کا بہت زیادہ فرماں بردار تھا۔ وہ ماں کا اکیلا ہی بیٹا تھا اور اپنی والدہ سے انتہائی محبت و شفقت سے پیش آیا کرتا تھا۔ شادی کے بعد ہم نے ساتھ والے مکان میں رہنا شروع کر دیا۔ میرا خاوند کچھ وقت اپنی والدہ کے پاس اور کچھ میرے پاس گزارتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ وہ تو سارا وقت اپنی والدہ کے ساتھ ہی گزارتا ہے اور مجھے تو کوئی وقت دیتا ہی نہیں۔ شیطان نے دل میں وسوسے اور برے خیالات پیدا کرنے شروع کر دیے، اس کے نتیجے میں مَیں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں کسی بڑے گھر میں رہنا چاہیے، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ میں مسلسل مطالبہ کرتی رہی اور اپنے اصرار پر قائم رہی۔ آخر وہ مان ہی گیا، تھوڑے ہی فاصلے پر ہم نے ایک بڑا گھر لے لیا، اس میں تھوڑا ہی عرصہ گزارا تھا کہ ایک حادثے میں میرا خاوند اللہ کو پیارا ہو گیا، میری تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا، ان کی ذمے داری میرے اوپر تھی، محنت و مشقت کر کے ان کو پالا، ان کی تربیت کی، بیٹا جوان ہوا، اس کی شادی کر دی، ہم ایک ہی مکان میں رہ رہے تھے، اس کی بیوی نے وہی مطالبہ کیا، جو میں نے

اپنے خاوند سے کیا تھا۔ میں نے اسے بتانے کی بڑی کوشش کی اور کہا کہ بیٹا! بڑے حصے میں تم رہو، ہم چھوٹے حصے میں گزارا کر لیں گے، لیکن اس نے ہماری بات نہ مانی اور دوسرے محلے میں ایک مکان میں رہنے لگا۔ یہ اصل میں وہی قرض ہے جو میرے ذمے ہے، میں نے اس کی دادی کو مکان میں اکیلا ہی چھوڑ دیا تھا اور اس کے والد کو لے کر گھر سے چلی گئی تھی۔ یہ ایسا قرض ہے جو دنیا میں ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک نصیحت اور بہت بڑا سبق ہے جو وقت سے پہلے حاصل کرنا ضروری ہے، کیوں کہ وقت گزرنے کے بعد نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔[1]

[1] جريدة عكاظ العدد [9886]

ماں کا نافرمان

وہ ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوا۔ والدین نے بڑے ہی ناز ونعم میں پرورش کی۔ بچپن ہی میں اس کا باپ دارِ فانی کو چھوڑ گیا۔ والدہ نے بڑی محنت سے پالا پوسا، جوان کیا، اسے وراثت میں کافی زیادہ مال ملا تھا، لہٰذا اس نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ ماں دن رات بیٹے کی ترقی اور کامیابی کے لیے دعائیں کرنے میں مشغول تھی اور یہ دعائیں شرفِ قبولیت حاصل کرتی جا رہی تھیں۔ اس کی تجارت وسیع ہوتی جا رہی تھی اور وہ لوگوں میں شہرت پا چکا تھا۔

اب والدہ کی یہ سوچ بھی تھی کہ میرے ہونہار بیٹے کی کسی نیک خاتون سے شادی ہو جائے اور اس کی نیک اولاد ہو، جو ہم دونوں کے لیے باعثِ راحت وسکون ہو اور ہم سب مل کر خوش گوار زندگی بسر کر سکیں۔ والدہ نے اس کے لیے ایک نہایت عمدہ رشتا تلاش کیا، مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا، بلکہ اس نے اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نہایت خوب صورت اور فرماں بردار دو بیٹے عطا کیے۔ ان بیٹوں سے اس کو بے حد محبت تھی، اس نے ان کی دیکھ بھال اور تربیت میں دن رات ایک کر رکھا تھا، لیکن والدہ بوڑھی ہوگئی، اس کی خدمت کا موقع تھا اور وہ دیکھ بھال کی محتاج تھی، مگر بیٹا بڑا مال دار ہونے کے باوجود والدہ کے حق میں بڑا ہی بخیل ثابت ہوا۔ وہ ایک خادمہ تک مقرر نہ کر سکا، جو اس کی والدہ کی خدمت کرتی، بلکہ ماں کے وجود کو بوجھ تصور کرنے لگا اور اس فکر میں پڑ

گیا کہ اس سے جان چھڑانے کا کوئی راستہ نکل آئے۔ اچانک اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ ماں کو اولڈ سنٹر میں جمع کروا دیا جائے۔ اس نافرمان بیٹے نے والدہ کے سارے احسانات بھلا دیے۔ یہ وہ ماں تھی، جس نے دن رات دعائیں کر کے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے مال اور کاروبار مانگا، پھر اس کے لیے اولاد کی دعائیں کیں، خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی تربیت کی ذمے داری پوری کی، آج وہی ماں اس کے لیے بوجھ محسوس ہو رہی ہے اور یہ اکلوتا بیٹا اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ یہ رویہ اختیار کر رہا ہے۔

آخر اس نے والدہ کو اولڈ سنٹر میں بھیج دیا۔ جب دوست احباب اور رشتے داروں کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے اسے ملامت کی کہ تو نے اچھا نہیں کیا۔ یہ ملامت سے پریشان ہو کر ایک دوست کے پاس گیا اور اس کو سارا معاملہ بتا کر کہنے لگا کہ یہ اولڈ سنٹر آخر حکومت نے بوڑھے لوگوں کے لیے ہی تو بنائے ہیں، میں نے کون سا جرم کیا ہے؟ دوست ایسا تھا، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔ وہ کہنے لگا: بھائی اللہ کے عذاب سے ڈر جاؤ، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگو، والدہ کو واپس گھر لے آؤ، اس کو راضی کرو، اس کی خدمت کرو، اپنی بیوی کی بات مان کر اگر آپ نے ایسا کیا ہے تو بیوی کی پروا مت کرو، یہ اچھے اور شریف لوگوں کا طریقہ نہیں ہے۔

دوست کی یہ باتیں سن کر وہ بولا: جناب آپ نے میری پریشانی میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ میں تو پریشانی کو ہلکا کرنے کے لیے آیا تھا۔ اگر آپ اپنے اس موقف پر پکے ہیں تو مجھے آپ کی دوستی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس دوست نے کہا: بھئی! آپ جیسے ماں کے نافرمان سے تعلق ویسے ہی اچھا نہیں

دگرگوں ہوگئی۔ زمین باوجود کشادہ ہونے کے اس پر تنگ ہوگئی۔

ملازموں نے دکان سے مال چوری کرنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری تجارت ختم ہوگئی۔ وہ مال، جس کا اسے ناز تھا، ختم ہوگیا۔ اب یہ حیران و پریشان اپنے کیے کی سزا پا رہا ہے اور آخرت میں اس کا کیا حشر ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔[1]

[1] جريدة الوطن الكويتية العدد [7221] نقلًا من كتاب "كما تدين تدان"

وہ کنویں میں گر گیا

زمانہ قریب کی بات ہے کہ ایک بیٹا جو والدین کے حقوق سے ناواقف تھا، اس کا باپ بڑی نرمی اور محبت سے اسے برے کاموں سے منع کرتا، لیکن یہ نافرمان بیٹا بڑے ہی سخت انداز میں باپ کو جواب دیتے ہوئے کہتا: آپ میرے معاملات میں کیوں دخل اندازی کرتے ہیں؟

باپ کے سامنے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان تھا:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[1]

''ہر کوئی ذمے دار ہے اور قیامت کے دن اس سے اس کی ذمے داری کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

چوں کہ باپ اپنے اہل و عیال کا ذمے دار ہے، لہٰذا اس نے زیادہ سختی کرنے کی کوشش کی تو بیٹے نے باپ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس پر باپ کو بہت غصہ آیا اور پریشانی بھی ہوئی، لیکن بیٹا یہ حرکت کرنے کے بعد گھر سے نکلا اور دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا۔ کھیلتے ہوئے فٹ بال ان کے گھر کے قریب ہی ایک کنویں کی طرف چلا گیا، جس کا پانی انتہائی گندا اور بدبو دار تھا۔ کنارے کے پاس فٹ بال پکڑتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ کنویں میں گر گیا۔ گرتے ہی اس نے آواز دی: ابا جان! مجھے بچائیں۔ یہ آواز سنتے ہی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6719] صحيح مسلم، رقم الحديث [6829]

باپ کا دل نرم پڑ گیا اور بیٹے کو بچانے کے لیے بھاگ پڑا۔ لوگ بھی جمع ہو چکے تھے، لیکن باہر نکالنے سے پہلے ہی وہ فوت ہو چکا تھا۔

یہ واقعہ بڑا ہی عبرت ناک ہے، ایسے لوگوں کی دوستی سے بچنا ضروری ہے جو برے اور فسادی ہوتے ہیں، خیر نام کی چیز ان میں نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

قرض دینا ہی پڑتا ہے

صالح غازی الجودی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک عالمِ دین کے ساتھ تبادلہ خیال جاری تھا کہ قیدیوں کو رہا کرنے والا سرکاری ملازم دفتر میں ہمارے پاس آیا، اس کے ساتھ سفید رنگ کا خوبصورت پچیس سالہ نوجوان تھا، جس کا ایک بازو نہیں تھا، اس کے چہرے پر انتہائی زیادہ پریشانی کے آثار تھے۔ اس سرکاری ملازم نے ہمیں بتایا کہ تعجب خیز معاملہ یہ ہے کہ یہ نوجوان جیل میں ہی رہنا چاہتا ہے، حالانکہ اس پر کوئی مقدمہ نہیں۔ اس کے سارے مقدمات اور عدالت کی طرف سے سنائی جانے والی سزا مکمل ہو چکی ہے۔ ہم اسے آزاد کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ انکار کیے جا رہا ہے۔

میں نے بڑے پیار سے اس قیدی سے پوچھا: بھئی! آپ کا کیا معاملہ ہے؟ آپ جیل کیوں آئے اور اب سزا مکمل ہونے کے بعد جیل سے جاتے کیوں نہیں؟ اس نوجوان نے تفصیل بتانا شروع کی۔

میں، میرے والدِ محترم اور سوتیلی ماں (جو میرے باپ کی دوسری بیوی تھی) ایک ہی گھر میں اکٹھے رہتے تھے۔ میری والدہ کافی عرصہ پہلے فوت ہو گئی تھی اور یہ سوتیلی ماں مجھ سے اور میرے دوسرے بھائیوں سے نفرت کرتی تھی۔ میرے دوسرے بھائیوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہوا کہ انھوں نے اس گھر کو خیر باد کہہ دیا، ان میں سے ہر ایک کو اچھی ملازمت مل گئی اور اس نے شادی کر کے اپنا

گھر آباد کر لیا۔ میری عمر اٹھارہ سال کے قریب تھی کہ مجھے موٹر سائیکل پر حادثہ پیش آ گیا، جس سے میرا بازو کٹ گیا، میری تعلیم بھی مکمل نہ ہو سکی اور مجھے ملازم رکھنے کے لیے بھی کوئی تیار نہ تھا۔ میں اپنے والد اور سوتیلی والدہ پر بوجھ بن گیا۔ مسلسل تکرار اور نافرمانی کی وجہ سے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا اور پولیس کو میری زیادتی کی اطلاع کر کے جیل بھجوا دیا، جس کے نتیجے میں مجھے پچیس دن قید اور دس کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔ اب یہ مجھے میرے والد کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ والد مجھے کبھی قبول نہیں کرے گا۔ اس عالم دین نے کہا کہ میں آپ کا ساتھ دوں گا اور آپ کی اس مشکل کو حل کرنے میں بھر پور تعاون کروں گا۔

وہ عالم دین پولیس افسران سے مکمل تصدیق کرنے کے بعد کہ اب کوئی سزا باقی نہیں، تمام کاغذات سمیت جیل افسر کو ساتھ لے کر اس نوجوان کے والد کے پاس پہنچا، لیکن والد نے دیکھتے ہی انکار کر دیا اور اس عالم دین کی کوئی بات نہ سنی۔

عالم دین نے اس نوجوان کے بوڑھے باپ سے فون کرنے کی اجازت لی اور پولیس افسر کو مطلع کیا کہ وہ اس نوجوان کو گھر رکھنے لیے تیار نہیں۔ پولیس افسر نے بڑے ہی ادب و احترام سے گزارش کی: جناب آپ ہمارے دفتر میں تشریف لائیں، ورنہ ہم بہت سے لوگ جمع ہو کر آپ کے گھر آ جائیں گے اور آپ کو ہماری مہمان نوازی کرنا ہوگی، لہٰذا بزرگ دفتر جانے پر رضا مند ہو گیا۔

چند لمحوں کے بعد سفید ریش لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا اسّی سال کی عمر کا بزرگ عدالت میں حاضر ہوا، جس کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ آپ اس معذور و کمزور بچے کو قبول کر لیں، آخر یہ آپ ہی کا

بیٹا ہے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ بزرگ کا دل نرم پڑ جائے۔ میری بات کو کاٹتے ہوئے بزرگ گویا ہوئے۔

یہ مسکین نہیں، جیسا کہ آپ اسے سمجھ رہے ہیں، یہ تو بہت زیادہ مال دار ہے کئی ایک پلاٹ اس کی ملکیت میں ہیں اور بینک میں لاکھوں روپے جمع کر رکھے ہیں۔ یہ رمضان میں اور رمضان کے علاوہ بھی مخیّر حضرات کے پاس جا کر اپنی معذوری کے نام پر روپیہ اکٹھا کرتا ہے، جب کہ میری حالت یہ ہے کہ سوائے مکان کے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میرا کوئی بیٹا بھی مجھے کچھ نہیں دیتا۔ مخیّر حضرات ہمارا خرچہ برداشت کر رہے ہیں۔ میرا یہ بیٹا میری نصیحت پر عمل نہیں کرتا، بلکہ میرے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے اور میری بیوی پر بھی زیادتی کرتا ہے، اس مرتبہ تو اس نے اخیر ہی کر دی، مجھے مارتے مارتے زمین پر گرا دیا اور میری وہ آنکھ جو درست ہے، اسے بھی نکالنے کی کوشش کی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر میری بیوی نے شور مچایا تو ہمارے ہمسائے دوڑتے ہوئے آئے اور انھوں نے اس ظالم سے مجھے چھڑایا اور تنگ آ کر میں نے اس کو جیل بھجوا دیا۔

بزرگ کی بات جاری تھی کہ پولیس افسر نے اچانک بات ٹوک کر بزرگ سے کہا: میں آپ سے ایک سوال کا صحیح صحیح جواب چاہتا ہوں، وہ سوال یہ ہے کہ جوانی کے عالم میں والدین کے ساتھ آپ کا کیا سلوک تھا؟ کیا آپ کو کچھ یاد ہے؟ یہ بات سنتے ہی بزرگ نے سر جھکا لیا اور رونا شروع کر دیا۔ رونے میں اس بات نے اور اضافہ کر دیا، جب عالمِ دین نے یہ کہا کہ انسان کو اپنے کیے کا ہی بدلہ ملتا ہے۔

والدین کے ساتھ بدسلوکی اور زیادتی ایسا قرض ہے جو ادا کرنا ہی پڑتا

ہے، اگر چہ کچھ عرصہ بعد ہی دینا پڑے۔ وہ بزرگ اونچی آواز سے رو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے ہوئے استغفار بھی کر رہا تھا۔ پھر اس بزرگ نے اپنا پورا واقعہ تفصیل سے بیان کیا کہ میری والدہ بچپن میں فوت ہو گئی، والد نے نئی شادی کر لی، وہ خاتون میرے اور والد کے درمیان جدائی کی خواہاں تھی، مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے باپ کو تھپڑ مارے تھے۔

میں اس بات کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔ بزرگ کی گفتگو ابھی جاری تھی کہ عالم دین نے اس نوجوان کو مخاطب کیا: تیرے باپ کا یہ قرض تھا، جو تو نے چکا دیا، تم بھی سن لو! جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

ایک وقت آئے گا تم بوڑھے ہو جاؤ گے اور تمھاری اولاد تمھارے ساتھ یہ سلوک کرے گی۔ اب ایک ہی راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے کیے کی مافی مانگو اور والد کے ساتھ صحیح رویہ اختیار کرو، اللہ تعالیٰ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔

اس طریقے سے عالم دین نے دونوں باپ بیٹے کے سوئے ہوئے ضمیر کو زندہ کرنے کی کوشش کی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی عطا فرمائی۔[1]

[1] مجلة الأمن العدد ٤٥ [ص: 17-19]

وہ پاگل ہو گیا

کہا جاتا ہے کہ ایک نوجوان نے اپنی والدہ کو اس لیے قتل کر دیا کہ وہ اسے اچھے کاموں کی ترغیب دیتی اور برے کاموں سے منع کیا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر عذاب نازل ہوا اور وہ پاگل ہو گیا، وہ بازاروں میں اس طرح پھرتا تھا کہ اس کے جسم پر لباس ہوتا تھا اور نہ پاؤں میں جوتا۔

بچوں کا کھلونا بنا ہوا تھا، بچے اسے خوب پریشان کیا کرتے تھے، کاش کہ اسے موت آ جائے اور اس تکلیف سے راحت پا سکے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس کے گناہ کی وجہ سے اسے یہ سزا مل رہی ہے۔ ایسے واقعات ہمارے لیے نصیحت و عبرت کا پہلو رکھتے ہیں۔ عقل مند وہی ہوتا ہے جو کسی دوسرے کو دیکھ کر اپنی اصلاح کر لے۔ والدین کے ساتھ ظلم ایسا گناہ ہے کہ جس کی سزا دنیا میں ضرور ملتی ہے اور آخرت میں تو مل کر ہی رہے گی۔[1]

---

[1] نزهة النفس الأدبية.

اس نے توبہ کر لی

بچپن ہی میں میرے والد فوت ہو گئے۔ میری والدہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے میرا پیٹ پالتی رہی، مجھے سکول بھیج دیا گیا اور تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ میں یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کر چکا تھا کہ بیرونِ ملک اعلا تعلیم کے لیے میرا انتخاب ہو گیا، اس پورے عرصے میں والدہ کے ساتھ انتہائی ادب، شفقت اور محبت سے معاملہ چلتا رہا۔ والدہ نے مجھے الوداع کرتے ہوئے بہت سی نصیحتیں کیں: بیٹا! صحت کا خیال رکھنا، بیٹا! خط لکھتے رہنا۔

میری تعلیم کی تکمیل میں کافی عرصہ لگ گیا۔ میں جب وطن واپس آیا تو مغرب کی تہذیب مکمل طور پر مجھ پر اثر انداز ہو چکی تھی۔ میں دین کو دنیاوی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھنے لگا۔ مجھے اچھی ملازمت مل گئی اور تنخواہ بھی بہت زیادہ تھی۔ والدہ ایک انتہائی دین دار اور نیک لڑکی سے میری شادی کرنا چاہتی تھی، مگر میری پسند ایک مال دار اونچے گھرانے کی لڑکی تھی۔ چناں چہ میں نے پسند کی شادی کر لی، چند مہینوں میں اس عورت نے میرے دل میں والدہ کی محبت کی جگہ نفرت بھر دی۔

ایک دن میں گھر آیا تو میری بیوی رو رہی تھی۔ وجہ پوچھنے پر وہ کہنے لگی: بہت صبر کیا ہے، اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا، سن لو! اس گھر میں یا میں رہوں گی یا آپ کی والدہ!!

مجھ پر بیوی کی محبت غالب آ چکی تھی، لہٰذا میں نے والدہ کو گھر سے نکال دیا۔ میرے اس سخت رویے اور انسانیت سے گرے ہوئے عمل کے باوجود والدہ نے انتہائی بردباری اور محبت بھرے انداز میں گھر سے نکلتے ہوئے کہا: بیٹا! اللہ آپ کو ہمیشہ آباد رکھے۔ یہ وہی والدہ تھی، جس کے میرے اوپر بہت سے احسانات تھے اور مجھے اس عمر میں اس کا سہارا بننے کی ضرورت تھی، مگر میں نے اسے گھر سے نکال دیا۔ تھوڑے ہی وقت کے بعد مجھے احساس ہوا، میں تلاش میں نکلا، لیکن ناکام و نامراد واپس لوٹا۔ والدہ سے ایک عرصے تک رابطہ منقطع رہا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ آ گئی اور مجھے ایک مہلک مرض کی وجہ سے ہسپتال جانا پڑا۔ کسی طریقے سے والدہ کو علم ہوا تو وہ اپنے اس بیٹے کی بیمار پرسی کے لیے آئی، جس نے اسے گھر سے نکال دیا تھا، لیکن قسمت نے اب بھی ساتھ نہ دیا، میری ملاقات سے پہلے ہی میری بیوی نے اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہاں آپ کا کوئی بیٹا نہیں، یہاں کیا لینے آئی ہو؟ چلی جاؤ یہاں سے!

والدہ واپس چلی گئی۔ کافی عرصہ بیمار رہنے کی وجہ سے جسمانی حالت تبدیل ہوگئی، ملازمت جاتی رہی، مکان بک گیا۔ باوجود اس کے کہ بہت زیادہ مقروض تھا، میری بیوی آئے دن ناجائز مطالبات کا بوجھ بڑھا رہی تھی۔

آخر ایک دن اس نے کہہ ہی دیا: آپ کی تنخواہ ختم ہو چکی ہے، آپ کے پاس کوئی مال و متاع نہیں رہا، معاشرے میں آپ کا کوئی مقام نہیں، میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، مجھے طلاق چاہیے، میں نہیں رہوں گی، نہیں رہوں گی، نہیں رہوں گی۔

وہ بیوی جس کی خاطر میں نے سب کچھ قربان کیا تھا، اس سے یہ بات

سن کر مجھے ایسے محسوس ہوا کہ کوئی آسمانی آفت ٹوٹ پڑی ہے، میں نے اس کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے اسے طلاق دے دی۔

اب میں خوابِ غفلت سے بیدار ہوا، والدہ کی محبت دوبارہ جاگ پڑی، میں تلاش میں نکل پڑا، بڑی کوشش کے بعد میں اسے پانے میں کامیاب ہوا، وہ بیچاری فقرا کی قیام گاہ میں یعنی اولڈ سنٹر میں رہ رہی تھی، جن کا گزارا صدقات و خیرات پر ہوتا ہے۔ والدہ کو دیکھتے ہی پاؤں میں گر گیا، بڑی مدت کے بعد ماں بیٹے کی ملاقات ہوئی تھی، دونوں رو رہے تھے، تقریباً ایک گھنٹا مسلسل روتے رہے، والدہ کو لے کر گھر پہنچا، پختہ عزم کیا کہ والدہ کا فرمانبردار بن کر رہوں گا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کروں گا، جیسا کہ مغربی تہذیب سے متاثر ہونے سے پہلے کیا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے۔ آمین[1]

[1] جريدة بلاد العدد [9021]

اسے مارنے دو

سڑک کے کنارے ایک مضبوط، طاقتور اور خوبصورت نوجوان کھڑا ہے۔ وہ ہاتھ میں لاٹھی تھامے ہوئے ساٹھ (60) سالہ کمزور ونحیف بوڑھے کو مار رہا ہے اور وہ بالکل خاموش بیٹھا ہے، اس کی زبان پر کوئی شکایت نام کی چیز نہیں۔ لوگ جمع ہو گئے۔ ایک آدمی کہنے لگا: بھئی! اس بوڑھے کو کیوں مارتے ہو؟ اللہ سے ڈرو۔ دوسرا کہنے لگا: اس نے کون سا جرم کیا ہے؟ لیکن وہ نوجوان مارنے میں مصروف ہے اور لوگوں کی طرف اس کا کوئی دھیان نہیں۔ تیسرا بولا: اگر کوئی تیرے بوڑھے باپ کو اس طرح مارے تو؟ پھر اس نے لوگوں کو کہا کہ اس کے باپ کے سامنے شکایت کریں تو وہ اس کی اصلاح کرے۔ اس ظالم کے باپ کو کون جانتا ہے؟

ایک انتہائی پروقار شخصیت آگے بڑھی، میں جانتا ہوں۔ یہ دونوں باپ بیٹا ہیں۔ یہ اپنے ہی باپ کو مار رہا ہے۔ یہ بات سن کر لوگ حیران وششدر رہ گئے۔ لوگوں کے رنگ زرد پڑ گئے کہ بیٹا اپنے باپ کو اس انداز سے مار رہا ہے؟ سب نے مل کر چھڑانے کی کوشش کی، وہ بوڑھا جس کا سانس پھولا ہوا تھا، لوگوں سے کہہ رہا تھا: اسے مت روکو! اسے مارنے دو۔

یہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، میں نے بھی اسی طرح اپنے بوڑھے باپ کو مارا تھا، اس لیے کہ اس نے مجھ سے کچھ رقم کا مطالبہ کیا، اللہ تعالیٰ کے انصاف کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کے تذکرے کر رہے تھے اور ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

باپ کی دعا قبول ہوگئی

ایک شتربان جو بہت سے اونٹوں کا مالک تھا، مختلف شہروں میں سامان منتقل کیا کرتا تھا، کیوں کہ اس وقت بار برداری کے لیے صرف اونٹ ہی استعمال ہوتے تھے۔ یہ شخص بڑا مال دار تھا اور شہر میں بیوی بچوں سمیت رہتا تھا۔ اس کا باپ جو بوڑھا اور کمزور تھا، دیہات میں رہتا تھا۔ اس کے پاس تھوڑی سی زمین تھی، جس میں وہ کھیتی باڑی کر کے گزر اوقات کرتا، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے اپنا کام کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ وہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہ رہا تھا۔

ایک دن حالات سے تنگ آ کر اس نے اپنے بیٹے کے سامنے آ کر اپنی فقیری کا حال بیان کرتے ہوئے کہا: بیٹا! ہمیں کچھ رقم دے دو، جس سے ہم گزارا کر سکیں۔ باپ کے اصرار پر کہنے لگا کہ ان شاء اللہ کل ضرور تعاون کروں گا۔ باپ خوشی سے واپس گھر آیا، بیوی کو خوشخبری سنائی۔ قرض خواہوں کو بتایا کہ کل آپ کا قرض چکا دوں گا۔ صبح ہوتے ہی باپ بیٹے کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا بیٹا تو سامان لے کر دوسرے شہر جا چکا ہے۔ اس نے جھوٹا وعدہ کیا تھا، اسے معلوم تھا کہ میں رات کو سفر پر روانہ ہونے والا ہوں۔

باپ یہ صورتِ حال دیکھ کر انتہائی پریشان ہوا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ اپنی بے بسی کا شکوہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کر رہا تھا۔ پریشان حال باپ کے منہ سے بد دعا نکلی کہ اے اللہ! اس کی عقل چھین لے، اس کا مال برباد

کر دے اور اس کی بینائی ختم کر دے۔

یہ وقت بھی قبولیت کا تھا کہ ادھر منہ سے بددعا نکلی، عرش تک پہنچی اور شرف قبولیت حاصل کر گئی۔ باپ کا یہ نافرمان سفر سے واپس روانہ ہوا، رات کے وقت آندھی آئی، آندھی کیا تھی ایک طوفان تھا، سخت سردی کا موسم تھا اور ریت بھی اڑ رہی تھی، ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا، اس اچانک طوفان کی وجہ سے قافلہ بکھر گیا، نوکر بھاگ گئے، اونٹ بلبلا رہے تھے، یہ شتربان چیختا چلاتا رہا، مگر اس کا کوئی پرسان حال نہیں تھا، اسی حالت میں وہ بے ہوش ہو گیا، صبح ہوش آیا، تو وہ نامعلوم جگہ پر پڑا تھا، اس نے رونا شروع کر دیا، روتے روتے بینائی ختم ہو گئی، بھوک اور پیاس کی شدت تھی، جنگل میں آہ و بکا کرتا رہا، یہاں تک کہ عقل جواب دے گئی یعنی پاگل و دیوانہ ہو گیا، مال پہلے ہی ضائع ہو چکا تھا، ایک آدمی نے پہچان کر اس کو گھر تک پہنچا دیا۔ یہ وہ عذاب تھا جو اس پر نازل ہوا۔ یہ سڑکوں پر پھرتا بچے اسے تنگ کیا کرتے تھے، اس کا بوڑھا باپ اور والدہ اسے کچھ کھلانے کی کوشش کرتے تو وہ دور بھاگ جاتا تھا اور اجنبی لوگوں کے ہاتھوں کھا کر زندگی کے ایام پورے کر رہا تھا۔ یہ مملکت سعودیہ کے شمالی علاقے کا واقعہ ہے، جو ہر ایک لیے عبرت کا پہلو رکھتا ہے۔[1]

---

[1] ذكرها الأستاذ إبراهيم السليمان الطامي [بتصرف]

کاش میں وہاں ہوتا...!

میں تین بہنوں کا اکیلا بھائی اور والدہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ والدہ نے اس انداز سے میرے حقوق کا خیال کیا کہ والد محترم کا دنیا سے چلے جانا مجھے محسوس نہ ہو۔ میری والدہ کی عمر صرف پچیس سال تھی، لیکن اس نے میری خاطر نئی شادی کرنے سے انکار کر دیا۔

تھوڑی آمدنی ہونے کے باوجود ایسی تدبیر سے گھر کے معاملات چل رہے تھے کہ باقی بچوں کی طرح ہمیں تمام ضروری اشیا بہ آسانی مل رہی تھیں۔ والدہ نے میری تین بہنوں کی شادی کر دی اور گھر میں ہم دونوں رہنے لگے۔ اب میں بھی جوان ہو چکا تھا۔ والدہ کا اصرار تھا کہ شادی ہو جائے، لیکن میں مسلسل انکار کرتا رہا، تاکہ مصروفیات میں اضافہ نہ ہو اور ذمے داریاں بڑھ نہ جائیں، آخر کار والدہ کے اصرار کے سامنے مجھے ہتھیار پھینکنے پڑے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ میری بڑی بہن کو طلاق ہو گئی۔ وہ بچوں سمیت ہمارے گھر آ گئی۔ میری تھوڑی سے تنخواہ سے گھر کا معاملہ چل رہا تھا، لیکن اخراجات میں اضافہ ہو گیا، والدہ نے مجھے تسلی دی کہ پہلے کی طرح حسنِ تدبیر سے کم آمدنی میں ہمارا سلسلہ اچھے طریقے سے چلتا رہے گا۔ قریبی رشتے داروں میں میری شادی ہو گئی۔ ہم سب ایک گھر میں رہ رہے تھے۔ کچھ وقت ہی گزرا تھی کہ میری بیوی اور بڑی بہن کی چپقلش شروع ہو گئی۔ میں اپنی بیوی کو صلہ رحمی کرنے اور

بہن کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دیتا رہا، لیکن ایک دن ایسا بھی آیا کہ بیوی کا والدہ سے جھگڑا ہو گیا۔ آخر کار معاملہ اس طرح حل ہو گیا کہ دونوں طرف سے غلطی ہوئی ہے، لہٰذا دونوں احسن انداز میں رہیں۔

شادی کے تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دو بیٹے عطا کیے، اس سے اخراجات میں اور اضافہ ہو گیا۔ دوسری طرف بیوی کا یہ اصرار تھا کہ ہمیں الگ مکان میں رہائش اختیار کرنی چاہیے۔ بیوی کا اصرار غالب آیا اور میں ایک الگ مکان میں منتقل ہو گیا۔ والدہ کو بہت زیادہ صدمہ ہوا اور وہ دو دن تک مسلسل روتی رہی۔ میں نے وعدہ کیا کہ امی جان! میں ہر ہفتے آپ کو ضرور ملنے آیا کروں گا اور اخراجات میں آپ کا تعاون بھی کرتا رہوں گا، اس سے والدہ کو کچھ تسلی ہوئی اور ان کے آنسو خشک ہوئے۔

چار پانچ ماہ تک تو میں اپنے وعدے کے مطابق چلتا رہا، لیکن بیوی ساتھ ساتھ روک رہی تھی کہ ہر ہفتے کیوں جاتے ہو، نوبت ایک ماہ تک آ گئی۔ بیوی کے مطالبات میں اضافہ ہوتا رہتا تھا کہ گھر کا سامان تبدیل کیا جائے اور ضروریاتِ زندگی اقساط پر خرید لیں، لہٰذا میں نے ایک ماہ بعد صرف ملاقات کے لیے آنا شروع کیا، مگر کوئی تعاون نہیں کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود والدہ مجھے مل کر خوش ہو جاتی اور کوئی مطالبہ نہیں کرتی تھی۔ مصروفیات میں اضافے کے سبب کافی عرصہ ملاقات کا سلسلہ منقطع رہا۔ میری بہن مجھے فون کرتی اور کہتی: بھائی! امی کو ملنے کے لیے ہی آ جاؤ، مگر بیوی مجھے منع کر دیتی۔ پھر میری والدہ بیمار ہو گئی، لیکن میں پھر بھی نہ جا سکا۔ ایک روز میری بہن نے فون پر مجھے بتایا اور وہ رو رہی تھی کہ امی فوت ہو چکی ہے، اس کے آخری سانس جاری تھے اور اس کی یہی خواہش تھی

کاش میرا بیٹا مجھے مل جائے اور یہی خواہش لیے وہ چل بسی۔

یہ بات سنتے ہی میں بہت پریشان ہوا، ماضی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا، ماں کی شفقت و محبت اور حسن تدبیر سب یاد آ رہے تھے، میں وہ ہوں جس نے والدہ کو یہ بدلہ دیا ہے کہ اس کی آخری خواہش بھی پوری نہ کر سکا، لیکن اب تو شرمندہ ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ وقت گزر چکا ہے۔[1]

[1] جريدة عكاظ (تاريخ: ٢٠/ ٢/ ١٤١٢هـ)

کروڑ پتی شخص اور نافرمان اولاد

ایک آدمی بہت زیادہ مال دار تھا، اس کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں، کثرتِ مال کی وجہ سے وہ فارغ البال تھا۔ اس کی اولاد نے فضول خرچی شروع کر دی۔ انھوں نے جائیداد کی دستاویزات پر دستخط کروانے کا پروگرام بنایا تو والد نے انکار کر دیا۔ والد کا انکار اولاد پر ناگوار گزرا۔ انھوں نے سازش تیار کی کہ اس کے متعلق مشہور کر دیا جائے کہ یہ مجنون، پاگل اور دیوانہ ہے، بڑی عجیب وغریب حرکات کرتا ہے، گھر میں اس کا رہنا ہمارے لیے خطرے کا باعث ہے، لہٰذا انھوں نے باپ کو اولڈ ہاؤس پہنچا دیا، وہ دن رات مسلسل رو رہا تھا، لیکن اولاد نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھایا کہ وہ اپنے باپ کی جائیداد جو کئی ملین پر مشتمل تھی، اپنی مرضی سے استعمال کر سکیں۔ اولڈ ہاؤس میں رہتے ہوئے کافی وقت گزر گیا، کپڑے پرانے ہو گئے، ذمے داران نے اس آدمی کی اولاد سے رابطہ کیا کہ اس کے لیے نئے کپڑے بھیج دو، بیٹے نے کہا: میرے پاس کوئی روپیہ نہیں اور آیندہ مجھے فون بھی نہ کرنا...!![1]

[1] أبناء يعذبون أباءهم [ص: 45]

سمجھ دار بیوی

ایک آدمی دیہات کا رہنے والا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان میں مبتلا ہوگیا۔ معاملہ کچھ اس طرح تھا کہ اس کے بچے تو پیدا ہوتے، لیکن چھوٹی عمر ہی میں فوت ہو جاتے۔ آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بیٹا عطا کیا۔ اس نے بیٹے کی خوب حفاظت کی۔ یہ آدمی ماہر گھوڑ سوار تھا، لیکن بدقسمتی سے والدہ کا نافرمان تھا۔ اس کی ماں بہت بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھی۔ ایک دن یہ اپنی بیوی کو کہنے لگا کہ بڑی دیر سے میں اس کی موت کا منتظر ہوں، مگر یہ مرنے کا نام ہی نہیں لیتی، میں اس کی خدمت سے تنگ آچکا ہوں، اس کی وجہ سے معاشرے میں کوئی عزت ہی نہیں، ہم اسے چھوڑ کر کہیں اور جگہ چلیں جائیں۔

بیوی بڑی توجہ سے اس کی باتیں سنتی رہی اور دل ہی دل میں اس کی عقل پر پریشان بھی ہو رہی تھی۔ بیوی نے موافقت کا اظہار کیا کہ ہم ضرور چلیں گے، لیکن ایک ترکیب اس کے دل میں آئی کہ ایسا طریقہ اختیار کروں گی، جس کی وجہ سے یہ واپس والدہ کے پاس آجائے اور اس کی خدمت شرف سمجھ کر کرنے لگے۔ تیاری مکمل ہو چکی تھی، روانگی کے وقت بیوی نے اپنا اکلوتا بیٹا بوڑھی ماں کے پاس ہی رہنے دیا۔ سفر جاری تھا کہ ایک جگہ پر پڑاؤ کیا تو وہ کہنے لگا: بیٹا کدھر ہے، لاؤ میں اس سے دل بہلانا چاہتا ہوں۔ بیوی کہنے لگی: جناب! وہ بیٹا میں وہاں ہی چھوڑ آئی ہوں، اس لیے کہ وہ بھی تو تیرا ہی بیٹا ہے، جس طرح

آج تو بوڑھی والدہ کو اکیلا چھوڑ آیا ہے، وہ بھی جوان ہو کر میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا، لہٰذا میں پہلے ہی ایسے بیٹے سے جان چھڑانا چاہتی ہوں۔

یہ کلمات سنتے ہی اس کا مردہ ضمیر بیدار ہوا، فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر واپسی کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک بھیڑیا اس چار سالہ بچے کو کھانا چاہتا ہے اور بوڑھی ماں اسے اپنی گود میں بٹھائے بھیڑیے سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بھیڑیے نے جب گھوڑ سوار کو آتے دیکھا تو بھاگ گیا، یہ منظر دیکھ کر اسے اپنا بچپن یاد آ گیا کہ اسی شفقت و محبت کے ساتھ اس ماں نے مجھے بھی پالا تھا۔ بیٹے اور بوڑھی والدہ کو اپنے ساتھ لیا۔ پہلے گناہ سے توبہ کی اور آئندہ اپنی ماں کا بہت ہی فرماں بردار بن گیا۔ یہ سمجھ دار بیوی کی ترکیب تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے برے فعل سے باز آ گیا، دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی سنور گئی۔

بیوی ہو تو ایسی۔

باپ اور بیٹا

اصمعی کا بیان ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ایک بوڑھا آدمی تھا، جس کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ اپنے باپ کا نافرمان تھا۔ بیٹے کا نام ''منازل'' تھا۔ یہ بوڑھا بھی اپنی جوانی کے عالم میں والدین کے ساتھ ظلم و زیادتی کرتا رہا۔ منازل نے جوان ہوتے ہی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کر دیا، کوئی کمی باقی نہ رہنے دی۔ یہ بوڑھا منازل کے رویے کو دیکھ کر اپنی داستان کو یاد کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ اس نے پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ منازل کے ظلم و تشدد سے تنگ آ کر اس بوڑھے نے ایک دن کہا:

إِنِّي دَاعٍ دَعْوَةً لَوْ دَعَوْتُهَا
عَلَىٰ جَبَلِ الرَّيَانِ لَانْهَدَمَ جَانِبُهُ

''میں ایسی بددعا کرنے لگا ہوں، اگر میں یہ دعا ریان نامی پہاڑ کے خلاف کروں تو اس کا ایک حصہ بھی گر جائے۔''

اس بات کا علم جب خلیفہ کو ہوا تو اس نے بیٹے کو گرفتار کرنے کے لیے سپاہی بھیج دیے، لیکن وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر یہی بیٹا جب بوڑھا ہوا تو اس کے بیٹے نے بھی اپنے اس بوڑھے باپ کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا، تو یہ منازل اپنے بیٹے خلیج کی زیادتیوں کا تذکرہ کرنے لگا کہ میں تو اس امید پر زندہ تھا کہ بیٹا جوان ہو گا، حالات تبدیل ہوں گے وہ میرا غم خوار ہو گا۔ خلیفہ وقت کو

معلوم ہوا تو اس نے خلیج کو سزا دینے کا پروگرام بنایا تو خلیج کہنے لگا: جناب! میری بات سن لیں، مجھے سزا دینے میں جلدی نہ کریں، میرے باپ منازل کے متعلق اس کے باپ کا تبصرہ بھی سن لیں۔ جب خلیفہ وقت کو ساری داستان کا پتا چل گیا، تو اس بوڑھے (منازل) کو مخاطب کر کے کہا کہ جیسے تو نافرمان تھا، ویسا ہی تیرا بیٹا نافرمان ہے۔[1]

[1] عیون الأخبار لابن قتیبة [3/86-87] أخبار العققة والبررة لأبي عبید [ص: 36-37]

میں ابھی آ رہا ہوں

رات کا ایک بج رہا تھا، ساحل سمندر پر ایک ستر سالہ بوڑھی خاتون اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، اس کے پاس چائے کا تھرموس پڑا ہوا تھا، سمندر کی لہریں ایک خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں، یہ خاتون کبھی تو لہروں کی چمک کا مشاہدہ کرنے لگتی اور کبھی چائے پینے میں مصروف ہو جاتی، لیکن اس کے چہرے پر کسی کے انتظار کے آثار معلوم ہو رہے تھے۔ وہ سمندر کی طرح اپنے دل میں بہت سی یادوں کی لہریں لیے بیٹھی ہوئی تھی۔

دوسری طرف ایک فیملی کے کچھ افراد بیٹھے تھے، جو دن کی مسلسل تھکاوٹ اور پریشانیوں کو ختم کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھانے ساتھ لیے بڑے مزے سے وقت گزار رہے تھے۔ وہ اس خاتون کو اکیلا دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے کہ رات کے ایک بجے تک یہ یہاں اکیلی ہے، اسے کوئی لینے کے لیے آیا ہی نہیں۔ کوئی بھی ڈرتے ہوئے اسے پوچھنے کو تیار نہیں تھا کہ کوئی مصیبت و پریشانی ہمارے سر نہ پڑ جائے۔ آخر ایک آدمی نے پوچھ ہی لیا تو خاتون بولیں: میرا بیٹا مجھے یہاں چھوڑ کر چلا گیا ہے اور کہہ رہا تھا کہ میں ابھی آ رہا ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک کاغذ بھی دے گیا ہے۔ جب وہ کاغذ دیکھا گیا تو اس پر لکھا ہوا تھا کہ کوئی اسے دار الامان پہنچا دے۔ یہ بات سن کر سارے حیران رہ گئے کہ وہ ماں جو دن رات ایک کر کے بیٹے کو پالتی رہی ہے، آج وہ اسے بے یار و مددگار

چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

اس واقعہ کو پڑھ کر ہر کوئی نصیحت حاصل کرے اور اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرے، جو زندگی میں حسنِ سلوک کرنے والی اور مرنے کے بعد نیک دعائیں کرنے والی ہو۔[1]

[1] قصص من الواقع [ص: 64-57]

اس نے انگوٹھی پھینک دی

رمضان کے آخری ایام میں ایک نوجوان اپنی والدہ، بیوی اور بیٹے کے ہمراہ سونار کی دکان پر آیا، بیوی زیورات خریدنے میں مصروف ہو گئی اور والدہ ایک طرف کھڑی تھی۔ بیوی نے تقریباً بیس ہزار ریال کے زیورات خریدے۔ اس کی ماں کے دل میں بھی خیال آیا کہ میں ایک انگوٹھی ہی خرید لوں، جو کسی شادی، دعوت یا کسی موقع پر استعمال کروں گی۔ جب نوجوان نے بل ادا کیا تو دکاندار کہنے لگا کہ ابھی ایک سو ریال ادا کرنا باقی ہے۔

نوجوان نے پوچھا: وہ کس چیز کا؟

دکاندار نے بتایا کہ آپ کی والدہ نے ایک انگوٹھی خریدی ہے۔

نوجوان نے والدہ کے ہاتھ سے انگوٹی چھین کر دکاندار کے کاونٹر پر پھینک دی۔

ماں بیچاری اپنا سا منہ لیے گاڑی کی طرف چل پڑی۔ بیوی نے کہا: آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ یہ ماں ہمارے گھر سے اگر چلی گئی تو ہمارے اس بچے کو کون بہلائے گا؟

بیوی کے کہنے پر نوجوان انگوٹھی لے کر والدہ کے پاس آیا، لیکن والدہ نے کہا: اللہ کی قسم! زندگی بھر کبھی سونا استعمال نہیں کروں گی، میں نے اپنی خواہشات کو دل ہی میں دفن کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے۔

ماں ناراض ہوگئی

استاد عبدالرؤف حناوی کا بیان ہے کہ میرا ایک قریبی رشتے دار تھا، جس کا باپ بڑا مال دار تھا، مرتے وقت اس نے بہت زیادہ رقم اور جائیداد چھوڑی، کیوں کہ وہ بہت بڑا تاجر تھا، اس شخص کا اپنی والدہ کے ساتھ سلوک درست نہیں تھا۔ ماں بیچاری صبر کرتی رہی، لیکن وہ اپنے رویے کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ ایک دن اس کی انتہا کی بدسلوکی کے نتیجے میں ماں کے منہ سے بددعا نکلی اور عرش تک پہنچ گئی۔ یہ انتہائی مالدار ہونے کے باوجود حالات اس طرح تبدیل ہوئے کہ فاقوں تک نوبت آ گئی۔

میرے والدِ محترم اس کی بیوی بچوں پر خرچ کیا کرتے تھے اور بعض دفعہ مجھے کھانا دے کر بھیجا کرتے تھے، یہ ماں کی ناراضی کا نتیجہ تھا۔ اس لیے ہر نوجوان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔[1]

[1] بر الوالدين للحناوي [ص: 135]

وہ بیٹا ہی تو تھا

بصرہ شہر میں ایک مال دار شخص رہتا تھا، اس کے ہاں اولاد نہیں تھی، اس کی بڑی خواہش تھی کہ اولاد جیسی نعمت بھی مل جانی چاہیے، کیونکہ باقی نعمتیں موجود ہیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ خواہش بھی پوری فرما دی۔ وہ شخص بیٹا ملنے پر بہت خوش تھا۔ وہ بیٹے کی ہر ممکن اچھی تربیت کرنے میں مصروف رہا۔ بیٹا جوان ہو گیا اور ہر ممکن طریقے سے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کی کوشش کی، یعنی اس کی ہر ضرورت کو بروقت پورا کرنے میں مشغول رہا۔

ایک دن اچانک کسی نے اس مال دار شخص پر پیچھے سے حملہ کرتے ہوئے پشت میں خنجر پیوست کر دیا، اس آدمی نے مدد کے لیے اپنے بیٹے کو آواز دی، مگر جب دیکھا تو ''وہ بیٹا ہی تو تھا'' جس نے یہ کام کیا تھا۔ وہ آدمی زخموں سے تڑپ رہا تھا اور اس کی زبان پر کلمہ جاری تھا۔ تاکہ موت ایمان پر آئے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کر رہا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''ایمان والو! تمھاری اولاد اور بیویوں میں کچھ تمھارے دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہا کرو۔''

اس شخص نے یہ بات کبھی سوچی بھی نہیں تھی کہ میرا بیٹا ہی مجھے قتل کر دے گا۔[1]

---

[1] موارد الظمآن للشیخ عبد العزیز السلمان رحمہ اللہ [ص: 625-626]

غم کے آنسو

ڈاکٹر ابراہیم سنیدی بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک دوست نے مجھے بتایا کہ ایک ہسپتال میں ایک مریض زیرِ علاج تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد مریض کی حالت کافی حد تک بہتر ہوگئی۔ ہسپتال کے عملے نے مریض کو ڈس چارج کر دیا۔ یہ سنتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس سے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو بتانے لگا کہ یہاں تو میرے ساتھ باتیں کرنے والے موجود ہیں۔ مجھے وقت پر کھانا بھی مل جاتا ہے، مگر گھر میں مجھے کوئی سہولت دستیاب نہیں ہے۔ اس لیے یہاں ہی رہنا چاہتا ہوں۔ میری اولاد کی نافرمانی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ میرے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

ایسی نافرمان اولاد کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سامنے رکھنا چاہیے:

﴿ وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴾ [إبراهيم: 42]

''اے محمد ﷺ! اللہ تعالیٰ کو غافل نہ سمجھو، بلکہ ظالموں کا ہر ظلم اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، وہ تو قیامت کے دن تک، جب آنکھیں کھلی رہ جائیں گی، مہلت دے رہا ہے۔''

ایسی اولاد کو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینی چاہیے، ورنہ ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کرے گی۔[1]

[1] مجلة الدعوة، العدد [1812]

تو گدھے کی طرح آواز نکالتی ہے

علامہ اصبہانی نے عوام بن حوشب سے نقل کیا ہے کہ ایک قبرستان کے قریب ایک قبیلہ آباد تھا۔ عصر کے بعد ایک قبر کھلتی تھی، اس میں ایک آدمی باہر نکلتا، جس کا سر تو گدھے جیسا تھا اور باقی جسم انسان کی طرح تھا۔ وہ تین مرتبہ گدھے کی طرح ہنہناتا، پھر قبر بند ہو جاتی تھی۔ پاس ہی ایک بوڑھی خاتون روئی کات رہی تھی، جو اس کی والدہ تھی، وہ اسے شراب پینے سے منع کیا کرتی تھی کہ اللہ سے ڈر جا، کب تک شراب پیتا رہے گا؟ اس کا جواب یہ ہوتا تھا کہ تو گدھے کی طرح آوازیں ہی نکالتی رہتی ہے۔ مرنے کے بعد اس کا یہی حال ہے اور اب روزانہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

یہ واقعہ بڑا ہی عجیب و غریب ہے، اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اصبہانی کا بیان ہے کہ ابو العباس نے نیشاپور میں حفاظ کی موجودگی میں یہ واقعہ املا کروایا تو انھوں نے اس پر کوئی قدغن نہ لگائی۔[1]

---

[1] دیکھیں: كتاب غذاء الألباب للعلامة السفاريني [373/1]

وہ ہمیشہ ڈرتا رہتا تھا

سید (ع، ف) اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں: میرا ایک بیٹا تھا، میں اس کی تربیت اس حساب سے کرنا چاہتا تھا کہ وہ بڑا ہو کر مجھ سے ڈرنے والا اور میری بات ماننے والا بن جائے۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے میرا یہ طریقہ رہا کہ ہمیشہ اس کو ڈانٹ پلاتا، اس کی ہر بات کا مذاق اڑایا کرتا تھا، نرمی اور شفقت نام کی چیز کبھی میرے قریب ہی نہیں آتی تھی۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا، جب کہ اس کی سوچ اس کے بالکل برعکس تھی۔ جوں جوں وہ بڑا ہو رہا تھا، اس کی نفرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ میرے سامنے آنے اور بات کرنے سے گھبراتا تھا، بلکہ وہ ہر کسی سے بات کرتے ہوئے ڈر محسوس کیا کرتا تھا کہ لوگ اس کی بات کا مذاق اڑائیں گے، جیسے اس کا باپ اس کی ہر بات کا مذاق اڑاتا ہے۔

بیٹا جوانی کی منزلیں طے کر رہا تھا، میں بڑھاپے کی طرف دن بہ دن بڑھ رہا تھا۔ آخر وہ وقت بھی آیا کہ دفتری معاملات سارے بیٹے کے سپرد کر دیے، لیکن آئے دن وہ غلطی پہ غلطی کرتا رہا، اس نے سارا سلسلہ تباہ و برباد کر دیا اور باقی ماندہ رقم میری اجازت کے بغیر ہی ایک عجیب کام میں صَرف کر دی۔ برے دوستوں کی مجلس نے اسے خراب کر دیا، جب سارا مال ختم ہو گیا تو دوست اسے چھوڑ کر چلے گئے، مجھے میری ہی غلطی کی یہ سزا ملی کہ میں نے نہ تو دنیاوی

معاملے میں اس کی راہنمائی کی اور نہ ہی دینی تعلیم سے اسے بہرہ ور کیا۔ ہر باپ کو میرے اس واقعہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اولاد کی اچھی تربیت کرنی چاہیے، تاکہ یہی اولاد بڑھاپے میں والدین کا سہارا بن سکے۔[1]

[1] مجلة الثقافة الصحيحة [ص: 43] العدد: 59.

یہاں میں نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا

وہ اپنے والد کا نافرمان تھا اور اس کی عزت و توقیر نہیں کرتا تھا، باپ فوت ہو گیا اور وہ جوانی کی منزلیں طے کرتا ہوا ایک بیٹے کا باپ بن گیا۔ اس نے اپنے اس بیٹے کو ناز و نعم میں پالا اور جوان کیا۔ ایک دن دونوں باپ بیٹا کسی بات پر الجھ پڑے، بیٹے کو بہت غصہ آیا اور بوڑھے باپ کو ایک مخصوص مقام پر لے جا کر قتل کرنے لگا تو باپ بولا: یہاں میں نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا۔ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، جیسا عمل ہوتا ہے، بدلہ بھی ویسا ہی ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ [الزلزال: 8,7]

”جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرتا ہے (قیامت کے دن) سامنے پائے گا اور جو کوئی ذرہ برابر گناہ کرتا ہے (قیامت کے دن) سامنے پا لے گا۔“

سات چراغ اور سات بیٹے

ایک آدمی کے سات بیٹے تھے، وہ بڑھاپے کی منزلیں طے کرتا جا رہا تھا، ایک مرتبہ اس نے اپنے سات بیٹوں کو اپنے پاس بلا کر کہا: میرے بیٹو! یہ سات چراغ ہیں اور تم بھی سات ہی ہو، ہر کوئی ایک چراغ کا انتخاب کر لے، جس کی روشنی میں وہ اپنے معاملات چلا سکے، لیکن ایک بات یاد رکھو! ان چراغوں کی ظاہری چمک اور رونق کو نہ دیکھنا، بلکہ پائیداری اور دوام کو ملحوظ رکھنا اور فیصلہ ذرا سوچ کر کرنا، جلد بازی سے کام نہ لینا، لیکن جو فیصلہ تم ایک مرتبہ کر لوگے، وہ تبدیل نہ ہو سکے گا، وہ آخری اور حتمی فیصلہ شمار ہوگا، فیصلہ وہی ہوتا ہے، جو پورے یقین اور اطمینان کے ساتھ کیا جائے اس میں تردد اور بے یقینی کا پہلو بالکل نہیں ہونا چاہیے۔

سب سے بڑا بیٹا آگے بڑھا اور سرخ رنگ والے چراغ کا انتخاب کر کے اٹھا لیا، اپنی تلوار اور زرہ لی اور چل دیا، اس کے چہرے پر طمع و لالچ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ باپ کو آخری دفعہ الوداع کہہ کر روانہ ہو گیا تاکہ وہ بقیہ زندگی لوٹ مار، ڈاکا زنی اور جرم وظلم میں گزارے۔

باپ بیٹے کے اس غلط انتخاب سے واقف تھا، لیکن اس نے خاموشی اختیار کی اور وہ اس انتظار میں تھا کہ دوسرے بیٹے کا انتخاب کیسا ہوتا ہے۔ دوسرا بیٹا جسم کے لحاظ سے تو کمزور و ناتواں، مگر عقل کے اعتبار سے بڑا مضبوط اور قوی

تھا۔ اس نے بڑے ہی غور وخوض کے بعد نیلے رنگ کے چراغ کا انتخاب کیا، باپ نے بیٹے کے انتخاب پر رشک کیا اور ساتھ ہی خوشخبری بھی سنا دی کہ تم باقی تمام لوگوں پر غالب آ ؤ گے، یہ چراغ اصل میں حق کا چراغ تھا، جو چمک رہا تھا۔ تیسرا بیٹا آگے بڑھا، جو بڑا حسین وجمیل تھا، عورتیں اس پر فریفتہ تھیں، اس نے سبز رنگ کے چراغ کا انتخاب کیا، جب یہ روانہ ہوا تو باپ کو پتا چل چکا تھا کہ اس کے پیچھے ایسی عورت ہے، جس کا کردار درست نہیں اور وہ بدنام زمانہ ہے۔

بزرگ سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ جو آدمی حسین وجمیل عورتوں کا دلدادہ ہو، ان کی فرمایش کو پورا کرنے میں مصروف ہو، وہ کبھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتا۔ چوتھا بیٹا آگے بڑھا اور جلدی سے زرد رنگ والا چراغ اٹھا کر چلا گیا۔ پانچویں بیٹے خوف کے آثار طاری تھے، وہ کبھی دائیں دیکھتا اور کبھی بائیں، ایک قدم آگے بڑھتا اور کبھی ایک قدم پیچھے۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی، ہاتھ کانپ رہے تھے، اس نے خاکستری رنگ والا چراغ، جو خوف و ہراس پر مبنی تھا، اٹھایا اور ڈرتا اور کانپتا ہوا چلا گیا۔

چھٹا بیٹا آیا جو بڑے ہی ناز ونعم میں پلا ہوا تھا، وہ بڑے ہی اعتماد سے آگے بڑھتا جا رہا تھا، اس میں خوف وتردد نام کی کوئی چیز نہ تھی، اس نے ایک لمحے کے لیے بھی انتظار نہیں کیا اور گندمی رنگ کے چراغ کا انتخاب کیا، جو خود غرضی پر مشتمل تھا۔ آخر میں سب سے چھوٹا بیٹا آگے بڑھا، اپنے باپ کے سامنے بڑی عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سفید چراغ کو پکڑ لیا اور یہ آخری چراغ تھا، جو باقی بچا تھا۔ یہ اصل میں اللہ تعالیٰ پر ایمان کی علامت تھی۔ اس نے اپنے باپ کے سامنے عرض کی کہ میں ہمیشہ خوشی وغمی میں اور ہر جگہ اس

آخر میں باقی دو بیٹے آئے ایک کے ہاتھ میں نیلگوں چراغ تھا، جو حق کا داعی تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں سفید چراغ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ذریعہ تھا، دونوں باپ کے سامنے نہایت ادب سے اپنا سارا معاملہ پیش کر رہے تھے: ابا جان! یہ چراغ ہمارے لیے ہر مصیبت و پریشانی اور آفت میں بچاؤ کا ذریعہ اور خواہشاتِ نفس پر کنٹرول میں بہت زیادہ مدد و معاون ثابت ہوئے ہیں، ہم آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور ساری زندگی مکمل اخلاص کے ساتھ آپ کی خدمت کرتے رہیں گے۔[1]

---

[1] مجلة الرسالة السنة العاشرة.

یہ سزا کب تک؟

وہ اپنی والدہ کے ہمراہ ایک ہی گھر میں رہا کرتا تھا۔ والدہ نابینی ہونے کے ساتھ ساتھ فالج کے مرض میں بھی مبتلا تھی، ایک خادمہ اس کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی ۔ والدہ کی شدید خواہش تھی کہ میرا بیٹا میرا غم خوار، خیر خواہ اور حسنِ سلوک سے پیش آنے والا ہو، لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ انتہائی سخت رویے سے پیش آتا، بدکلامی کرتا اور عمداً ایسی بات کیا کرتا، جس سے اس بیچاری کا کلیجہ چھلنی ہو جائے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ [بني إسرائيل: 23]

”والدین کو اف بھی نہ کہو اور ان سے نرم انداز میں گفتگو کرو۔“

نیز نبی کریم ﷺ کا صحیح سند سے مروی یہ فرمان بھی موجود ہے کہ ایک آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: حضور ﷺ! میرے والدین میں سے حسنِ سلوک کا زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، تین مرتبہ ماں کا ذکر کرنے کے بعد چوتھے نمبر پر فرمایا: تیرا باپ۔“

یہ نافرمان اپنی والدہ کو لے کر بینک جایا کرتا تھا، تاکہ وہاں سے وظیفہ وصول کرے، یہ ویل چیئر پر بٹھا کر والدہ کو لے جاتے ہوئے راستے میں بڑی کڑوی اور تکلیف دہ باتیں کرتا، یہ بیچاری چپ چاپ سنتی رہتی، زبان سے کوئی

ذہین باپ

ایک آدمی کے تین بیٹے تھے۔ تینوں جوان اور شادی شدہ تھے اور وہ بھی صاحبِ اولاد تھے۔ یہ آدمی بوڑھا ہو چکا تھا اور سارا مال اور کاروبار اس کے بیٹے سنبھالے ہوئے تھے، اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ مال ایک ایسی چیز ہے، جس کی وجہ سے ہر کوئی عزت و احترام اور خدمت کرنا ضروری خیال کرتا ہے۔ اس بزرگ کے مفلوک الحال ہونے کی وجہ سے ساری اولاد اس کو چھوڑ چکی تھی، کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں تھا، یہ بیچارہ اس انتظار میں رہتا کہ شاید کوئی بیٹا ملاقات کے لیے آئے اور اس کی عزت وتوقیر کرے۔

کاروبار میں تجربہ کار ہونے کی حیثیت سے اگر کبھی وہ اپنی اولاد کو نصیحت کر دیتا اور اپنے تجربات کو ان تک پہنچانے کی کوشش کرتا تو وہ اس کا مذاق اڑاتے اور مجنون و دیوانہ سمجھ کر اس کی بات کو رد کر دیتے۔ یہ بیچارہ صبر وشکر سے دن گزار رہا تھا، کہ ایک مرتبہ اس کی اپنے ایک ہم عمر دوست سے ملاقات ہوئی، اس نے ساری داستان بیان کی کہ میرے تو پوتے اور پوتیاں بھی مجھ سے نفرت کرتے ہیں، وہ میرے قریب ہی نہیں آتے، ان کو میرے کمرے کی صفائی کا خیال ہے نہ کپڑوں ہی کا اور کھانا بھی وقت پر نہیں ملتا۔ اس دوست نے کہا: میں آپ کو ایک مشورہ دے رہا ہوں، اگر آپ اس پر پوری طرح عمل کریں تو معاملہ حل ہو جائے گا۔ میں آپ کی راہنمائی کرتا رہوں گا۔ بزرگ نے کہا: آپ کی

ہدایات پر میں مکمل طور پر عمل کروں گا۔ دوست نے کہا: ایک مضبوط صندوق لے لو، اس میں اینٹ، پتھر، لوہا ڈال کر اسے ایک مضبوط ترین تالا لگا کر چابیاں کسی محفوظ جگہ پر چھپا دو اور یہ ظاہر کرو کہ اس میں سونا چاندی اور قیمتی اشیا موجود ہیں۔

اس بزرگ نے ایسا ہی کیا۔ اپنے سب سے بڑے بیٹے کو بلا کر کہا: بیٹا! میرا یہ صندوق دیکھ رہے ہو، اس میں آپ کے لیے بہت سا مال چھپا رکھا ہے اور وصیت نامہ بھی موجود ہے۔ چابیاں فلاں جگہ موجود ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس راز کا دوسروں کو علم نہ ہو، وہ حسد کریں گے اور کہیں گے کہ اس بوڑھے نے سب کچھ اسے دے دیا ہے، ہمیں نہیں دیا۔ بیٹا یہ ساری گفتگو سننے کے بعد اپنے بیوی بچوں کے پاس گیا اور سب کو مخاطب کر کے کہا: آج سے میرے بوڑھے باپ کی ہر لحاظ سے خدمت کی جائے، اسے صاف ستھرے کپڑے دیے جائیں، اس کا کمرہ صاف ہو اور اسے بہترین کھانا دستیاب ہو، پھر بیوی کو کہا کہ ابا جی کو بار بار پوچھیں کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟

کچھ وقت گزرنے کے بعد اس بزرگ نے اپنے درمیان والے لڑکے کے ساتھ علاحدہ گفتگو کی اور وہی باتیں اس کے ساتھ کیں، جو بڑے بیٹے سے کی تھیں، اس نے بھی اپنی بیوی کو حکم دیا کہ ہم اپنے باپ کو بھول چکے ہیں، حالانکہ بچپن میں اس نے ہماری پرورش کی۔ اس کی بیوی نے بھی اس بزرگ کی بڑھ چڑھ کر خدمت شروع کر دی۔ کچھ دیر یہ سلسلہ جاری رہا تو وہ بزرگ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے پاس گیا اور اسے کہا کہ تم سب سے چھوٹے ہو، مگر ذہین اور سمجھ دار ہو، میں تیری خیر خواہی کرنا چاہتا ہوں اور اس صندوق کا تجھے مالک بنانا چاہتا ہوں، لیکن میری زندگی میں تجھے نہیں مل سکتا، کیوں کہ دوسرے

اس کو ناپسند کریں گے، اس میں مال و متاع کے ساتھ تیرے نام ایک وصیت نامہ بھی موجود ہے۔ اس نے بھی اپنے بچوں کو باپ کی خدمت کا حکم جاری کر دیا۔ اب تینوں بیٹوں کی بیویاں اور اولاد ایک دوسرے سے بڑھ کر باپ کی خدمت کر رہے تھے۔ وہ بزرگ اپنے دوست کے مشورے پر عمل کی وجہ سے بڑی خوش حال زندگی گزارنے لگا، وہ جس کا کوئی پرسان حال ہی نہ تھا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ بزرگ چند روز بیمار رہنے کے بعد دار فانی کو چھوڑ کر فوت ہو گئے۔ اولاد نے کفن و دفن کا بندوبست کیا، نمازِ جنازہ پڑھی، جب فارغ ہوئے تو ہر ایک اس انتظار میں تھا کہ اس صندوق کو وہ کھولے اور اس میں موجود سونے چاندی کا مالک بن جائے۔ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق چابی تلاش کرنا شروع کر دی۔ آخر کار تلاش بسیار کے بعد چابی مل گئی، ہر ایک کے دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی کہ اس صندوق میں میرے نام کی وصیت نکلے گی، سب کی موجودگی میں صندوق کھولا گیا تو وصیت نامہ سب سے اوپر پڑا تھا، جس میں صرف دو سطروں میں بڑی مختصر وصیت تھی۔

وصیت نامہ دیکھ کر تینوں بیٹے بہت زیادہ پریشان ہوئے اور جب صندوق میں سے لوہا، پتھر اور لکڑی کے ٹکڑے نظر آئے تو ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور انھیں اس وقت بات سمجھ آئی کہ ہماری ظلم و زیادتی اور کوتاہی سے تنگ آ کر ہمارے باپ نے ایک تدبیر اختیار کی، تاکہ وہ زندگی کے آخری ایام انتہائی پرسکون انداز میں گزار سکے اور بعد والوں کے لیے بھی ایک حکمت بھرا طریقہ چھوڑا ہے کہ اس سے ضرورت کے وقت فائدہ حاصل کیا جا سکے۔[1]

[1] المجلة العربية، بقلم الأديب عبد الكريم الجهيمان [بتصرف].

نوجوان کی توبہ

ماں ایسی نعمت ہے جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں۔ یہ سخاوت کا ایک سمندر ہے۔ وہ ہزاروں غم اور تکالیف ہونے کے باوجود چہرے پر مسکراہٹ سجائے رکھتی ہے، مگر اپنی اولاد کو پریشان نہیں ہونے دیتی۔ اتنے بڑے احسان کا بدلہ بھی تو احسان اور حسنِ سلوک کی صورت میں ہونا نہایت ضروری ہے، لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ انسان یہ تمام شفقتیں اور محبتیں بھول جاتا ہے، اس کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی راہنمائی اور تعلیمات کو بھلا دیتا ہے۔

ایک نوجوان جو والدین کی نافرمانی سے تائب ہوا، اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مہربانی سے اس نے اپنا رویہ تبدیل کر لیا، وہ اپنی داستان خود بیان کرتا ہے کہ اس نے زندگی کا کافی حصہ نافرمانی میں گزار دیا۔ شادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، وہ والدہ کے سامنے اونچی آواز سے بولتا اور سخت کلام کرتا تھا۔ وہ بیچاری بڑھاپے کی وجہ سے پاؤں گھسٹ کر چلا کرتی تھی، چلتے ہوئے اس کے پاؤں لڑکھڑا جایا کرتے تھے۔ میرے سخت رویے کی وجہ سے اس کے دل سے لمبی آہیں نکلا کرتی تھیں، زبان پر صرف یہی الفاظ آتے تھے کہ میرا یہ بیٹا بڑا ہی غصے والا ہے۔ بہت جلد غصے میں آ جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اسے اولاد دے گا تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ ماں اس کے ساتھ کیسے

شفقت و پیار سے پیش آیا کرتی تھی۔

اس نوجوان کا بیان ہے کہ افسوس! میری شادی ایک مغرور اور متکبر خاتون سے ہوگئی، جو میرے والدین کی بالکل عزت نہیں کرتی تھی، وہ میرے سامنے والدین کی توہین کرتی اور بعض دفعہ تو انھیں ایک الگ کمرے میں بند کر دیا کرتی تھی، تاکہ اس کی سہیلیاں انھیں کہیں دیکھ نہ لیں۔ وہ بیچارے اس کے باوجود کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ چونکہ میں اپنی بیوی سے ڈرتا تھا، اس لیے اس کا حوصلہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ایک رات میں اپنی بیوی اور اکلوتے بیٹے سمیت سیر و تفریح کے لیے نکلا۔ جب ہم واپس آئے تو والدہ گھر میں موجود نہیں تھی۔ والد محترم کے بتانے سے معلوم ہوا کہ وہ تو شدید بیمار ہیں اور ہمسائے نے اسے قریبی ہسپتال میں منتقل کیا ہے اور اس کی حالت بڑی نازک ہے۔ ہسپتال جانے لگا تو باپ کے سامنے ہی بیوی نے مجھے پکڑا اور دروازہ بند کر دیا اور کہا: اب آرام کرو، صبح دیکھا جائے گا۔

صبح ہوتے ہی میں ہسپتال پہنچا تو ماں سے مخاطب ہوا: امی! میری پیاری امی جان! کچھ وقت کے لیے مجھے مہلت دے دیں، ابھی فوت نہ ہوں، میں بڑا ہی فرماں بردار بن کر رہوں گا، کبھی نافرمانی نہیں کروں گا، آج کے بعد آپ کو کسی قسم کی تکلیف کبھی نہیں دوں گا، گالی دینا تو دور کی بات میں اُف بھی نہیں کہوں گا۔ ادھر والدہ صدموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو چکی تھی۔ اب مجھے ساری بات سمجھ آچکی تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگی، نافرمان بیوی کو طلاق دے دی، اب ساری زندگی اپنے والد اور چھوٹے بیٹے کی خدمت کے لیے وقف کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری والدہ کو بخش دے اور میری غلطیوں سے درگزر فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے تمام فوت ہونے والے مسلمانوں کو معاف فرما کر جنت کا حق دار بنا دے۔ آمین

اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے

یہ ایک بڑا ہی نصیحت آموز واقعہ ہے۔ ہوا یہ کہ ایک خاتون کا خاوند فوت ہو گیا، اس کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ تھا، جو اس کے لیے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ساری زندگی کی امنگیں اسی سے وابستہ تھیں، اس عورت نے اپنے بچے کی صحیح تربیت اور خوشحالی کے لیے لڑکیوں کے سکول میں ملازمت اختیار کر لی، وہ اپنے بیٹے کو سینے سے لگاتی، پیار سے منہ چومتی اور اس کی زبان سے یہ الفاظ جاری ہو جاتے: بیٹا! تم کب جوان ہو گے؟ میرا سہارا بنو گے اور میری ساری محتاجی ختم ہو جائے گی؟ ماں بیٹے کو اپنی ذات پر ترجیح دے رہی تھی، کھانے پینے میں، لباس اور دیگر معاملات میں بیٹے کو مقدم کرتی اور اپنی خواہشات کو دل میں ہی دفن کرتی چلی جا رہی تھی۔ بیٹے نے مڈل کا امتحان اچھے نمبروں کے ساتھ پاس کیا تو والدہ اپنے بیٹے کی ذہانت اور کامیابی پر بہت خوش تھی۔

تعلیم کا یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ بیٹا یونیورسٹی میں پڑھنے لگا۔ ماں خوشی سے کہہ رہی تھی: بیٹا! اللہ کا شکر ہے کہ میری خواہش کے مطابق تم جوان ہو چکے ہو، بیٹا! ابھی تھوڑا ہی وقت باقی ہے کہ میں جلد ہی کامیاب ہو جاؤں گی۔

ماں نے ایک دن کہا: بیٹا! ہم آپ کی شادی آپ کی خالہ کی بیٹی سے کرنے والے ہیں، جو کافی دیر سے آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی ہے۔

بیٹے نے ماں کی طرف تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا: امی کیا کہا؟

وہ رشتہ مناسب نہیں، ہم دونوں کی سوچیں الگ ہیں، مزید یہ کہ وہ ایک اَن پڑھ لڑکی ہے۔

ماں: بیٹا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

بیٹا: میں ہرگز خالہ کی بیٹی سے شادی نہیں کروں گا۔

یہ بہت بڑا صدمہ تھا، جس کا ماں کو سامنا کرنا پڑا، بلکہ اس لڑکی کے لیے بھی بہت زیادہ پریشانی کا باعث تھا، جو بڑے عرصے سے اس انتظار میں تھی اور بہت سے ان لوگوں کو انکار کر چکی تھی، جو اس سے شادی کے خواہاں تھے۔

ماں یہ صدمہ برداشت کر رہی تھی کہ بیٹا یونیورسٹی سے فارغ ہو گیا، اسے شہر میں ملازمت مل گئی، اس نے ماں سے درخواست کی کہ دیہات والا مکان بیچ کر شہر میں ایک اچھا مکان تعمیر کر لیا جائے۔ وہاں مکان تیار کر کے اپنے نام کی تختی نصب کر دی اور ہمسایوں کی لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ وہ لڑکی بڑی متکبر اور غرور والی تھی۔ ایک دن بیٹے نے والدہ کی خدمت میں عرض کی کہ میں فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ماں نے خوشی کا اظہار کیا، شادی ہو گئی، کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ بیوی نے والدہ کے متعلق شکایات شروع کر دیں کہ وہ مجھے ڈانٹتی ہے اور میرے معاملات میں رکاوٹ بنتی ہے، اس نے تو میری زندگی کو جہنم بنا رکھا ہے۔

خاوند: آپ کیا چاہتی ہیں؟ آپ کا مقصد کیا ہے؟

بیوی: اس گھر میں مَیں رہوں گی یا آپ کی والدہ؟

خاوند: وہ میری ماں ہے۔

بیوی: تو میں آپ کی بیوی نہیں؟

خاوند: ناراض نہ ہو، ہم اس کا کوئی حل ضرور تلاش کرتے ہیں۔

قدرت کا کرنا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹا عطا کر دیا۔ اب تو دادی دن رات پوتے کی پرورش میں مصروف رہتی، اسے اپنے آرام کا کوئی خیال نہ تھا، جب کہ اس کی بیوی کی توجہ بیٹے کی طرف بہت کم تھی۔ وہ دن رات راہ ہموار کرنے میں مصروف تھی کہ اس بوڑھی سے جان کیسے چھڑائی جاسکتی ہے۔

یہ مسلسل خاوند کو کہہ رہی تھی کہ والدہ مجھے گالیاں دیتی ہے، ڈانٹتی ہے اور مجھے پریشان کرتی ہے۔ یہ باتیں سن سن کر خاوند کے دل میں ماں کے متعلق دن بہ دن نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے بھی سوچنا شروع کر دیا کہ کسی طریقے سے اس سے جان چھڑائی جائے۔

جب ماں نے دیکھا کہ بیٹا بھی بیوی کا ہمنوا بن گیا ہے تو رات کو ماں چپکے سے گھر چھوڑ کو چلی گئی۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد ماں کے دل میں ان کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا اور یہ خیال بھی آیا کہ اب تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہو گا، اتنا وقفہ کافی ہے۔ محبت غالب آئی تو والدہ نے دروازے پر دستک دی، بہو نے کہا: تم کون ہو؟ کدھر آئی ہو؟ کیا کام ہے؟ ہم بڑے سکون سے رہ رہے تھے، تم ہمارا سکون برباد کرنا چاہتی ہو؟ اتنے میں بیٹا بھی آ گیا۔ بڑے پیار سے ماں کو گھر لایا اور بیوی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے والدہ سے مخاطب ہوا۔

امی: آپ کیوں آئی ہیں؟

ماں بیٹے کا منہ دیکھ رہی تھی اور ان دنوں کی یادوں میں محو ہو گئی، جو اس نے بڑی مشکلات میں گزارے کہ یہ بیٹا جوان ہو کر میرا سہارا بنے گا۔ اس نے سارا مال اس پر خرچ کر دیا، زیورات فروخت کر دیے، اس کی مرضی کی شادی بھی کر دی۔

بیٹا: امی! آپ کیا کہتی ہیں؟

ماں: بیٹا میں کہاں جاؤں؟ میرا اور کون ہے؟

بیٹا سوچوں میں گم ہے کہ بیوی کا ساتھ کیسے نباہ سکتا ہے۔

بیٹا: امی! آئیں ہم چلتے ہیں۔

ماں: بیٹا! کہاں جانا ہے؟

بیٹا: ہم رشتے داروں کے ہاں چلیں گے۔

ماں: بیٹا! جیسے آپ کی مرضی ہو، میں تیار ہوں۔

یہ والدہ کو لے کر دار الامان (اولڈ ہاؤس) میں چھوڑ آیا، ماں بیچاری اس کی اس حرکت سے بالکل بے خبر تھی، یہ سفاک اپنی اس حرکت کے بعد گھر پہنچا تو چھوٹے سے بیٹے نے کہا: ابو! ابو! دادی کہاں ہے؟ میں دادی کو ملنا چاہتا ہوں۔

ماں بولی: خبردار! دادی کا نام لیا تو! سمجھے نا!

میں دادی سے ضرور ملوں گا، میں دادی سے پیار کرتا ہوں۔

ماں بیچاری دار الامان میں پڑی تھی، بوسیدہ کپڑے کی طرح اسے پھینک دیا گیا تھا۔ ادھر دونوں میاں بیوی گاڑی میں سوار کسی پارٹی میں شریک ہونے کے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں حادثہ پیش آ گیا۔ ایمبولینس جلد ہی پہنچ گئی اور زخمیوں کو ہسپتال لایا گیا، بیوی ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ گئی اور بچہ صحیح سلامت بچ گیا۔ خاوند کو جب ہوش آیا تو وہ امی، امی پکار رہا تھا، امی کہاں ہو؟ میری ماں کو دار الامان سے نکالو۔

جب ماں کو پتا چلا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بیٹے کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی بیٹا! اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے۔[1]

---

[1] حوادث واقعية لمحمد عبد العزيز الحميدي [بتصرف].

ماں کا قاتل

ایسے بیٹے کو دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، جو انسانیت کے تمام تقاضے بھول چکا ہو اور دنیا کا سب سے معزز ترین رشتہ اسے بھول چکا ہو، ماں ایسی نعمت ہے، جس کا کائنات میں کوئی متبادل نہیں ہے۔

افسوس! بیٹے نے انتہائی بے دردی سے ماں کو قتل کر دیا...؟ ہاں! اپنی ماں کو قتل کر دیا...!

مصر کے حلوان نامی شہر کا واقعہ ہے، درمیانے طبقے کے مکان میں ایک خاتون اپنے تین بیٹوں کے ہمراہ رہ رہی تھی، بڑے بیٹے کا نام محمد، دوسرے کا احمد اور تیسرے کا نام عادل تھا۔ محمد کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ ماں احمد اور عادل پر زیادہ مہربان ہے اور میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتی، ان کا ہر مطالبہ فوراً پورا ہو جاتا ہے، خواہ اسے کتنا ہی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے، لیکن میرے نشے کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا، حالانکہ اس بات کا اسے خود بھی علم تھا کہ نشہ اندھی موت ہے، اس کا انجام کتنا برا ہے، اس کے باوجود وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ایک روز صبح سویرے محمد اپنی والدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ زور زور سے آوازیں دے رہا تھا، امی! مجھے پیسے چاہیے، ہر حال میں مجھے پیسے دو! والدہ یہ منظر دیکھ کر پریشانی کے عالم میں بیدار ہوئی اور بڑی ہی شفقت سے بیٹے محمد کو

کہہ رہی تھی: بیٹا! میرے پاس پیسے نہیں۔ بیٹا! جانتے ہوئے بھی کنویں میں چھلانگ لگا رہے ہو۔ اس ظالم اور انسانیت سے خالی بیٹے نے ماں کو مارنا شروع کیا اور مارے جا رہا تھا، چہرے اور جسم کے تمام حصوں پر مار رہا تھا، والدہ نیچے گر گئی مگر اس ظالم کو رحم نہ آیا، گالیاں بک رہا تھا اور کہہ رہا تھا: بس مجھے ہمیشہ ایک جواب ملتا ہے، میں کہاں سے دوں؟ جب کہ دوسروں کا ہر مطالبہ فوراً پورا کر دیتی ہو، بوڑھی تجھے اللہ ہی پوچھے۔

محمد اپنے دوسرے بھائیوں کے کمرے میں داخل ہوا، بھائی مجھے کچھ مال بہ طورِ قرض ہی دے دو، بھائیوں نے انکار کر دیا اور والدہ کے ساتھ ہونے والے سلوک کو دیکھ کر ان کے تیور بدلتے جا رہے تھے۔ محمد اپنے کمرے میں چلا گیا، لیکن دل ہی دل میں یہ سوچنے لگا کہ وہ بوڑھی والدہ کو کس طریقے سے ختم کر سکتا ہے۔ شیطان اپنا کام کرنے میں مصروف تھا، وہ اس کے جذبات کو بھڑکانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، اس نے یہ پروگرام مرتب کیا کہ جب والدہ ناشتے کا سامان لینے کے لیے صبح کے وقت گھر سے نکلے گی تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا۔ یہ خیالات و تصورات اس ماں کے متعلق تھے، جس نے اپنا آرام و سکون اس کے لیے قربان کیا، اس کو بچپن میں پالا، ضروریات زندگی مہیا کرتی رہی، آج تو وہ اس کے حسنِ سلوک کی محتاج تھی، اس کی محبت و شفقت کی منتظر تھی، بہت سی امیدیں دل میں چھپائے اس کے جوان ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی، لیکن ساری امیدیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ یہ درندہ بن چکا تھا اور اپنے اس غلط نظریے اور ارادے کو پورا کرنے کا بڑا پختہ عزم کر چکا تھا۔ حسبِ معمول والدہ صبح سویرے ناشتے کا سامان خریدنے کے لیے نکلی تو یہ گھات لگائے بیٹھا ہوا تھا،

اچانک اس ظالم نے ہاں! ہاں! ظالم نے ماں کو؟ ہاں اپنی ماں کو سر میں پتھر مارا، صرف ایک نہیں پتھروں کی بارش کر دی، وہ بیچاری خون میں لت پت زخموں سے چور آہیں بھرتی ہوئی اپنے ہی لخت جگر کے ہاتھوں آخری سانس لیتی ہوئے اللہ تعالیٰ کے پاس جا پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

تھوڑے ہی وقفے بعد انکشاف ہو گیا کہ بیٹے نے ماں کو قتل کر دیا ہے، پولیس نے ہتھکڑی لگا لی اور عدالت نے فیصلہ صادر فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے، اسے دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس واقعے میں بہت سی نصیحت آموز باتیں ہیں:

١. نشہ آور اشیا تباہی و بربادی کا ذریعہ ہیں۔
٢. برے دوستوں کی مجلس انسان کو خراب کر دیتی ہے۔
٣. شیطان کی اتباع سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔
٤. بیٹوں کی اچھی تربیت کرنا ضروری ہے۔
٥. والدین کے حقوق کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔
٦. گھر میں احسن انداز سے زندگی گزارنی چاہیے۔

ایک انجکشن

اللہ تعالیٰ نے اسے بہت زیادہ مال سے نوازا تھا اور وہ بہت سی جائیداد کا مالک تھا، اس کی بیوی فوت ہوگئی۔ وہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا باپ تھا، عمر کی آخری منزلیں طے ہو رہی تھیں، لیکن اولاد اس انتظار میں تھی کہ یہ کروڑ پتی بوڑھا جلدی موت کی وادی میں اتر جائے اور یہ جلد فوت ہو تا کہ ہم اپنی مرضی سے ساری دولت استعمال کرسکیں۔ وہ سب اس مراد کو بھر لانے کے لیے تدبیریں سوچنے میں مصروف تھے۔ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کسی ڈاکٹر کو رشوت دے کر ایک خالی انجکشن یعنی صرف زہر کا ٹیکہ لگوا دیں، یہ خود بہ خود ہی مر جائے گا اور ہماری جان چھوٹ جائے گی، پھر ہم مزے کی زندگی گزاریں گے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے انھوں نے ایک ڈاکٹر کو بیس ہزار کویتی دینار کی رشوت کا لالچ دے کر یہ کام کروانا چاہا۔ لیکن ڈاکٹر ناراض ہو کر کہنے لگا: میں ضمیر فروش نہیں! کسی بے گناہ کو قتل نہیں کروں گا، مگر شیطان ان پر حاوی ہو چکا تھا، انھوں نے اپنے ہاتھوں سے بوڑھے باپ کو زہر سے بھرا ٹیکہ لگا دیا، جس سے باپ فوت ہو گیا۔

اس سنگ دل اولاد کا حشر سنیے، جس نے اپنے ہی باپ کو بجائے سہارا دینے اور خدمت کرنے کے قتل کر دیا، ایک بیٹا گاڑی کے حادثے میں مر گیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شراب کے نشے میں مخمور تھا۔

دوسرے کو کینسر جیسی موذی بیماری لگ گئی، وہ چیخ چیخ کر کہا کرتا تھا،

ساری دولت خرچ کر کے مجھے آرام مل جائے، لیکن وقت گزر چکا تھا، اسی بیماری سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

پیچھے بیٹی رہ گئی، اس نے اپنے خاوند کو ساری دولت کا امین بنا رکھا تھا، اس نے غیر شعوری طریقے سے ساری دولت اپنے نام کروالی اور اس کو بے کس و بے سہارا چھوڑ کر چلتا بنا۔

جو بویا ہو، وہی کاٹنا پڑتا ہے، اچھے کام کا نتیجہ بھی اچھا ہوتا ہے اور برے کام کا نتیجہ بھی برا ہی ہوتا ہے۔ فاعتبروا یا أولی الأبصار.

ہر صاحبِ شعور کو ایسے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔

بیٹے سے رحم کی اپیل

وہ بالا خانے میں ہاتھ رخسار پر رکھے ہوئے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسوں کی لڑی جاری تھی، ماضی کی یادوں کو دہرانے کی کوشش میں مصروف تھا، کاش جوانی دوبارہ آ جائے، لیکن یہ ایسی چیز ہے، جو دوبارہ نہ کسی کو آج تک ملی ہے اور نہ کسی کو ملے گی۔ صبح ہوا ہی چاہتی تھی کہ ایک بڑی خوش گوار خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹے جیسی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا، یہ مبارک خبر سنتے ہی اپنے لختِ جگر کو دیکھنے کے لیے جلدی جلدی بھاگا اور بیٹے کو سامنے پا کر اسے دیکھتا ہی جا رہا تھا، وہ اپنی آنکھوں کو سرور اور لذت سے بھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ ننھے سے پھول کی طرف بڑھ رہے تھے، تاکہ اپنے نورِ نظر کو اٹھائے اور سینے سے لگائے۔ شفقت و محبت اور پیار کا اظہار کرلے، لیکن یہ ہاتھ پیچھے ہٹنے شروع ہو گئے، اس کا سبب کوئی ناراضی یا ناپسندیدگی نہیں، بلکہ یہ سوچ غالب آرہی تھی کہ یہ تازہ و نرم و نازک پھول ہے، میرے ہاتھ سخت ہیں، اسے تکلیف ہوگی، میں اپنے ساتھ لگاؤں گا تو یہ رونے لگے گا۔ یہ وہ محبت ہے جو باپ کے دل میں ہے، لیکن اکثر اولاد کو اس کا تصور بھی نہیں ہوتا، آخر بیوی کے تعاون سے نورِ نظر کو اپنے ہاتھوں، بلکہ بازوؤں پر اٹھا کر اسے چومتا اور سارے گھر میں لیے پھرتا ہے، تاکہ یہ نورِ نظر دنیا کی روشنی دیکھ سکے۔

وقت گزرتا رہا، دونوں میاں بیوی بڑی ہی محبت و محنت سے اس کی پرورش میں مصروفِ عمل تھے، بڑے ہی صبر اور حوصلے سے اس دن کے انتظار میں تھے کہ وہ بیٹا ان کو ہنس کر دکھائے، بیٹے کا رونا تو والدین کو گوارا ہی نہیں تھا، رخسار پر آنسوؤں کا قطرہ ٹپکنے سے پہلے ہی دونوں حاضر ہو جایا کرتے تھے، دن بہ دن بچہ بڑا ہو رہا تھا اور باپ بھی ہر روز اس کی تصویریں اتارنے میں مصروف تھا، اس کی ایک ایک ادا کو محفوظ کرتا جا رہا تھا۔ بچے نے رینگنا شروع کیا اور پھر ایسی آوازیں نکالنے لگا جس کا معنی کسی کو معلوم نہیں ہوتا، پھر اس نے قدموں پر چلنا شروع کیا، کبھی اٹھتا کبھی گرتا، باپ بیٹے کے پیچھے پیچھے خوشی سے چل رہا ہوتا تھا۔ بچے نے دانت نکالنے شروع کیے۔ جب پہلے پہل موتی کی طرح چمک دار ایک دانت نمودار ہوا تو اسے دیکھ کر دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

بچہ بڑا ہوتا جا رہا تھا، ساتھ ہی دونوں کی امیدیں بھی جوان ہوتی جا رہی تھیں کہ ہمارا یہ بیٹا جوان ہو کر ہمارا مدد و معاون اور غم خوار بنے گا، وہ اس کی ہر بات کو ہر ممکن پورا کرنے کی کوشش کرتے اور بڑے ہی پیار و شفقت والے انداز سے ان کی زبان پر ''پیارے بیٹے اور میرے پیارے'' یہ کلمات جاری رہتے تھے، اس کی ہر بات کا جواب بڑی محبت سے دیا کرتے تھے۔

لیکن جب یہ جوانی کی منزلیں طے کرنے لگا تو معلوم ہوا کہ اس کے دل میں والدین کے لیے رحم نام کی کوئی چیز نہیں تھی، والدین کا نافرمان، سخت رویے سے پیش آنے والا۔ دن بہ دن اس کے مطالبات میں اضافہ ہو رہا تھا، باپ بیچارا کہتا: بیٹا! میں اب بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہوں، آپ اگر میری آنکھیں مانگیں تو میں پیش کرنے کو تیار ہوں، بیٹا! میرے حال پر رحم کرو، بیٹا! میرے

بڑھاپے کا کچھ خیال کرو، بیٹے! میری پریشانیاں اگر پہاڑ پر ڈال دی جائیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے، بیٹا! کچھ تو خیال کرو، بیٹا! ہمیں چھوڑ نہ جانا، بیٹا! آپ کے بغیر ہماری کوئی زندگی نہیں، بیٹا! آپ ہی کے سہارے ہم زندہ ہیں، ہر سانس میں آپ کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور ہمارے جسم میں خون کی گردش آپ کی وجہ سے ہے، لیکن وہ سخت نافرمان ثابت ہوا۔[1]

---

[1] جريدة الطب والأسرة العدد: 73 [بتصرف]

مجھے رکھنا ہے یا...؟

اس کا باپ فوت ہو گیا، وہ بڑا ہی مالدار تھا، والدہ کے ساتھ رہتے ہوئے اس کا بڑا ہی خیر خواہ اور اس پر کھلے دل سے خرچ کرنے والا تھا، اس نے ایک خود پسند عورت سے شادی کر لی، جو اس کی والدہ سے اچھا سلوک نہیں کرتی تھی۔ وہ والدہ کو آئے دن پریشان کرتی، زبان سے برا بھلا کہتی اور ایسی حرکات کیا کرتی جس سے اسے ہر ممکن تکلیف پہنچ سکے، اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی کہ والدہ نفسیاتی مرض کا شکار ہو گئی، اب تو بیوی کے لیے والدہ کا وجود ناگوار تھا۔

آخر کار خاوند سے کہہ ہی دیا: مجھے رکھنا ہے، یا... اپنی والدہ کو رکھنا ہے؟

اس نے بڑی مصالحت کی کوشش کی، لیکن وہ اپنے اصرار پر قائم تھی، آخر وہ شیطان کی چال میں آ کر بیوی کا گرویدہ بن گیا اور ماں سے جان چھڑانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔

سردیوں کی اندھیری رات میں والدہ کو...؟ ہاں، ہاں... والدہ کو بیٹا، جی ہاں... بیٹا! حقیقی بیٹا چھت پر لے گیا اور درندہ صفت انسان نے والدہ کو چھت سے نیچے گرا دیا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون، العياذ بالله.

ماں نے گرتے ہی چند سانس لیے اور وہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی۔ وہ اپنے رب کے سامنے ظالم و نافرمان بیٹے کا شکوہ کر رہی تھی۔ پھر اس نے غیر محسوس طریقے سے والدہ کی میت کو سنبھالا، تاکہ لوگوں کو اس کی خباثت کا علم نہ

ہو سکے، لیکن اس ظالم کو یہ پتا نہیں کہ اس کا یہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وقت گزرتا رہا، یہ اپنے انجام وسزا سے بالکل غافل زندگی گزار رہا تھا کہ وہ اسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جو والدہ کو لاحق ہوئی تھی، بیوی نے صبر کا دامن چھوڑ دیا، وہی منظر زمانہ دیکھنے لگا، سخت سردی کی اندھیری رات میں (یہ وہی ہے جس نے اس موسم میں والدہ کو نیچے گرایا تھا) اکیلا مکان کی چھت پر چڑھا، چھلانگ لگائی اور موت کے گھاٹ اتر گیا، انسان کو اپنے عمل کے مطابق سزا مل کر ہی رہتی ہے۔

سنن اربعہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَع مَا يَدَّخِرُ لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ»[1]

”بغاوت وسرکشی اور قطع رحمی ایسے دو گناہ ہیں جن کی سزا اللہ تعالیٰ دنیا میں بہت جلد دیتے ہیں اور آخرت میں بھی ضرور ان کی سزا ملے گی۔“

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [4902]

وہ رو پڑا...!

وہ والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، جو انتہائی بد زبان اور فحش گو تھا۔ والدین کو سیدھی سیدھی گالیاں دینا اس کا معمول تھا، حالانکہ اسلام میں والدین کے احترام میں بہت زیادہ راہنمائی موجود ہے، انھیں اُف کہنا بھی حرام ہے۔

باپ کی وفات کے بعد تو اس کی سرکشی میں اور اضافہ ہو گیا۔ باپ کا جو تھوڑا بہت ڈر یا خوف تھا بالکل ختم ہو گیا۔ ماں بیچاری دن رات اس کی محبت میں غرق اس کو نصیحتیں کرتی، بیٹا! برے دوستوں سے بچنا! بری مجلس دین و اخلاق کے بگاڑ کا سبب بنتی ہے اور تعلیمی حرج بھی ہوتا ہے، لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ماں نے کسی قریبی رشتے دار کا نام لے کر دھمکی دی، اگر تم باز نہ آئے تو میں فلاں کو بتاؤں گی، یہ تقریبا چوبیس سال کا جوان تھا، اس نے کسی کی کوئی پروا نہ کی، یہ بات سنتے ہی اس کے غصے میں اور اضافہ ہو گیا اور والدہ کو جوتوں! ہاں! ہاں! جوتوں سے مارنے لگا، ذرا سی ندامت بھی اس کے چہرے پر نہیں تھی، ماں بے بس و بے کس اپنی قسمت پہ رو رہی تھی، آخر اس کے سینے میں بھی تو دل تھا، ماں کو غصہ آیا اور اللہ کے دربار میں اپنی درخواست پیش کر دی اور وہ بھی رات کے آخری پہر میں جب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پہ تشریف لاتے ہیں، اس وقت کی ہوئی دعا اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں۔

یہ شقی القلب بیٹا اور زمانے کا گھٹیا انسان رات کا اکثر حصہ بُرے دوستوں

کی مجلس میں گزار کر واپس آیا، بغیر کسی ندامت کے سو گیا، صبح اٹھا تو ایک بازو کو فالج ہو چکا تھا، اس میں حرکت کرنے کی قوت اللہ تعالیٰ نے چھین لی، جی ہاں، یہ وہی ہاتھ ہے، جس سے اس نے والدہ کو جوتے مارے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر اسے رونا آ گیا، وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے خوب رویا۔

ماں بیچاری اپنے جگر گوشے کو اس حال میں دیکھ کر بہت پریشان ہوئی، لیکن دعا کے علاوہ تو کوئی چارہ نہیں تھا، لہٰذا وہ روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس کی شفا یابی کی دعا کرنے لگی۔

میں ہرگز معاف نہیں کروں گی

بیٹا ماں کی خدمت میں حاضر ہوا، امی! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یہ الفاظ سننے کی دیر تھی کہ ماں کے دل میں خوشی کی لہر دوڑنے لگی۔ تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد ماں کے دل میں خیال آیا کہ ہمارے پڑوس میں اکلوتی بیٹی ہے، اگر مل جائے تو معاملہ بہت اچھا ہو جائے گا۔ یہ خواہش پوری ہوگئی، رشتا مل گیا اور شادی ہوگئی، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، ابتدائی ایام بڑے ہنسی خوشی گزرے، چند ہی دنوں میں اس نے اصلی روپ دکھانا شروع کر دیا، دلہن نے اپنی ساس کے ساتھ نہایت سخت رویہ اپنانا شروع کر دیا اور آخر وہ دن بھی آیا کہ بیوی کی حمایت میں بیٹا والدہ کو مارنے لگا، ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، ماں نے بیٹے کے ظلم سے تنگ آ کر عدالت میں دعوی دائر کر دیا، عدالت کے مطالبے پر تینوں حاضر ہوئے۔ جج کے سامنے ماں اپنے اوپر ہونے والی زیادتی بیان کرنے لگی، اس کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

افسوس! میری عمر ستر سال ہو چکی ہے، اس عمر میں میرا ایک ہی خواب تھا کہ میں بیٹے کی شادی کروں، شادی کے بعد ہم نے ایک ہی مکان میں رہنا شروع کر دیا، تھوڑے ہی عرصے کے بعد حالات تبدیل ہوئے۔ میں سارا دن اکیلی گزارتی اور بہو اپنے کمرے سے اس وقت نکلتی، جب اس کے خاوند کے آنے کا وقت قریب ہو جاتا۔ گھر کی صفائی اور کھانا تیار کرنا میرے ذمے ہوتا تھا، یہ سب

کچھ بیٹے کی خوشی کے لیے خندہ پیشانی سے کرتی رہی، بیوی چپکے سے کہہ دیتی تھی کہ یہ کھانا میں نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے، لیکن میں خاموش ہی رہتی۔

ایک روز صبح کے وقت میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا، بہو کو آواز دی، لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا تو میں ہمت کر کے اس کے کمرے کے سامنے آئی، دروازہ کھولا ہی تھا کہ اس نے بد زبانی شروع کر دی، میں نے بڑی معذرت کی کوشش کی، لیکن وہ زور زور سے گالیاں دیے جا رہی تھی کہ اچانک میرا بیٹا بھی آ گیا، اس کے ضروری کاغذات گھر میں رہ گئے تھے، بیٹے نے دریافت کیا: ماں! آپ یہاں؟ میں نے معاملہ بتایا کہ مجھے خدمت کی ضرورت تھی، بجائے بیوی کو سمجھانے کے اس نے مجھے مارنا شروع کر دیا، بیوی (مکر وفریب کی وجہ سے) روئے جا رہی تھی، جیسے جیسے وہ بیوی کے رونے کی آواز سنتا، مجھے زیادہ مار رہا تھا کہ میں زمین پر گر پڑی، تو اس کی بیوی نے بھی مجھے لاٹھی سے مارنا شروع کر دیا۔ یہ ظالم بے حس وحرکت کھڑا دیکھ رہا تھا، میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔

ماں کی غم سے بھری داستان کو سن کر عدالت نے میاں بیوی کو ایک سال قید با مشقت کی سزا سنائی اور پانچ سو جرمانہ بھی کیا۔ ایسے نافرمانوں کا یہی علاج ہے۔[1]

[1] دیکھیں: جريدة الطب والأسرة العدد: 70، بتصرف.

بیٹا! ایسا ہرگز نہ کرنا

گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسے ہے، جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں، بلکہ یہ تو ایک درجہ اور بھی فضیلت لے جاتا ہے، اس کی ادا اللہ تعالیٰ کو اتنی پیاری لگتی ہے کہ گناہ تو معاف ہوتا ہی ہے، مگر اس گناہ کو بھی اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ اعتراف ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے دلی سکون میسر آتا ہے۔ دلی بے چینی، پریشانی اور گھٹن سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی طرح کی کیفیت رکھنے والا ایک شخص اپنی داستان خود بیان کرتا ہے کہ میں وہ بدنصیب ہوں جس نے اپنی والدہ پر بہت ظلم کیا، مگر افسوس! اس بات کی سمجھ والدہ کے فوت ہو جانے کے بعد آئی۔

اس ظلم بھری داستان کی ابتدا تو اس وقت ہی ہو چکی تھی، جب میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ امی! میں اپنے فلاں دوست کی بہن سے شادی کرنا چاہتا ہوں، ماں نے یہ الفاظ سنتے ہی کہا: بیٹا! نا، نا، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، لڑکیاں بہت ہیں، مگر اس خاندان کے قریب نہ جانا، جہاں تک میں جانتی ہوں، یہ کوئی اچھا خاندان نہیں ہے، بیٹا! میں خود تمھارا رشتا تلاش کروں گی، مگر میرے اوپر بھوت سوار تھا، مجھے ماں کی یہ بات اچھی نہ لگی، تو میں نے کہہ دیا: امی! سن لو! میری موت اور زندگی کا مسئلہ ہے۔ آپ دخل اندازی مت کریں، ورنہ...؟ ماں بیچاری میرا یہ رویہ دیکھ کر اپنا سا منہ لیے خاموش ہو گئی۔ یہ وہ ماں تھی، جس نے

میری خاطر اپنی جوانی قربان کی دی، میرا باپ جلد ہی فوت ہو گیا اور والدہ نے میری تعلیم و تربیت کی خاطر دوسری شادی سے انکار کر دیا۔

شادی پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی تھی، دلہن اپنی مکمل زیب و زینت کے ساتھ شادی ہال میں موجود تھی، اسے دیکھتے ہی والدہ پریشان ہو گئی اور یہ آثار اس کے چہرے پر نمایاں نظر آ رہے تھے، مگر ان کی پروا کیے بغیر میں نے سرکاری قوانین کے مطابق نکاح کر لیا، ماں نے سکوت اختیار کیا اور اپنے زیورات میری نذر کر دیے۔

شادی کے بعد میں نے ایک الگ مکان میں رہائش اختیار کر لی، اس کا سبب بھی یہی تھا کہ ماں میری بیوی کو پسند نہیں کرتی تھی، میں اندر ہی اندر کڑھتا رہتا کہ آخر ماں میری بیوی سے کیوں نفرت کرتی ہے؟ میری بیوی انتہائی ہوشیار ثابت ہوئی، اس نے میری سادگی سے خوب فائدہ اٹھایا، میرے سامنے ایسی باتیں کرتی، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ یہ میری ماں سے بہت محبت کرتی ہے اور وہ والدہ کے ساتھ رہنے پر بھی اصرار کیا کرتی تھی، مگر ماں کی نفرت سے مجھے پریشانی ہوتی، آخر معاملہ کیا ہے؟ بیوی کے فریب کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی، مَیں بیوی کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، یہ اپنی رفتار کے ساتھ جاری رہتا ہے، ماں دن بدن کمزور ہونے لگی، وہ مسلسل خاموش رہتی تھی، ایک دن میں نے کہا: امی! ہم آپ کے پاس آ جائیں، ایک ہی گھر میں سب مل کر رہیں گے؟

ماں نے کہا: نہیں، نہیں، بیٹا! میں اکیلے ہی مرنا چاہتی ہوں، مَیں تمھاری بیوی کو دیکھنا نہیں چاہتی، زندگی کا بہت سا حصہ گزر چکا، چند دن باقی ہیں، مَیں

اللہ تعالیٰ سے صبر کے صلے کی امید وار ہوں۔ کلام کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے بتایا کہ میں چھ بچوں کا باپ بن چکا تھا، میرے رویے کی وجہ سے ماں میرے بچوں سے بھی نفرت کرتی تھی، وہ کبھی ملنے کے لیے نہیں آتی تھی، اس کے برعکس میری بہن کے بچوں سے (یعنی اپنے نواسوں سے) بہت زیادہ محبت وشفقت کرتی، یہ دیکھ کر مجھے بہت غصہ آتا تھا، وقت گزرتا رہا آخر ایک دن والدہ بیمار ہوگئی۔ یہ وہ بیماری تھی، جس کے بعد اسے صحت نہ مل سکی، میری بہن نے بھی مجھ سے نفرت کا اظہار شروع کر دیا، میرا نام سننا بھی پسند نہیں کرتی تھی، میں بہت پریشان تھا، مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی، آخر ایسا کیوں ہے؟

میری بہن نے آخر دل کی بات کر ہی دی، بھیا! والدہ آپ کی وجہ سے ہی تو بیمار ہیں، تم نے والدہ کو ناراض رکھا ہے، آپ کی بیوی آپ کی عدم موجودگی میں امی کو بہت پریشان کرتی تھی، امی کی باتوں کا مذاق اڑاتی اور ساتھ آپ کے بیٹے بھی مذاق کیا کرتے تھے، امی ساری داستان مجھے سنایا کرتی تھی اور ساتھ ساتھ آنسو جاری ہوتے تھے۔

مگر آپ کی محبت غالب ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ آپ سے چھپانے کا حکم صادر فرمایا کرتی تھی کہ کہیں میرے بیٹے کے لیے گھر میں مشکلات پیدا نہ ہوں، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ تو امی کی کوئی بات سننے اور تسلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے، بہن کو یہ باتیں کرتے ہوئے شدید غصہ آ رہا تھا، آخر جذبات قابو میں نہ ہی رہ سکے، بہن نے زور سے میرے چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا: یہ آپ کا غلط انتخاب تھا کہ امی کے نا چاہنے کے باوجود تو نے بیوی کو والدہ پر ترجیح دی، وہ تو ہر حال میں تیرا ہی فائدہ چاہتی تھیں، لیکن آپ بھی

مخالفت پر ڈٹے رہے۔

بس، میں زار و قطار رونے لگا، ایک بچے کے طرح روتے ہوئے ماں کی طرف بڑھا، دیکھا تو وہ موت وحیات کی کشمکش میں تھی، آنکھیں آسمانوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور چہرہ نور سے چمک رہا تھا، اس کا آخری سانس جاری تھے۔

امی! مجھے معاف کر دو، امی! میں غلطی پر تھا، امی! میں کبھی آپ کو پریشان نہیں کروں گا، امی! تھوڑا سا خدمت کا موقع دے دو، امی! امی! امی!

لیکن ماں کی طرف سے کوئی جواب نہ آسکا، وہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو چکی تھی، آنسوؤں کی لڑی جاری تھی، چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا، مگر سامنے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔

لوگو! سن لو! ماں دنیا کا سب سے میٹھا پھل اور تمام باغات سے خوبصورت ترین باغیچہ ہے، کاش! اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرما دے کہ ان کی زندگی میں ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

یا اللہ! مجھے معاف فرما دے، اللہ! میری توبہ قبول فرما لے، اللہ! تُو تو بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔

وہ آدمی سب سے بڑا خوش نصیب ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کر لے۔[1]

---

[1] المجلة العربية [بتصرف].

بیوی کو والدین پر مقدم کرنے والا

وہ اپنے خاوند کے ہمراہ پرسکون زندگی کی بہاریں گزار رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک بیٹا عطا کیا، جس کی عمر تقریباً بارہ سال تھی اور ایک بیٹی عطا کی جس کی عمر تقریباً دس سال تھی، والدہ محترمہ محنت مزدوری کر کے روپیہ جمع کرتی اور بیٹے اور بہو کی خدمت میں پیش کر دیتی تھی، جس کی وجہ سے دونوں والدہ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ والدہ صبح سویرے گھر سے نکلتی، دوپہر کے وقت کچھ آرام کر کے عصر سے پہلے ہی کام پر چلی جاتی تھی، اس نے کبھی میرے بھائی اور بھابھی سے کھانا تک نہیں مانگا تھا، بس وہ یہی کہا کرتی تھی، بیٹا! یہ پیسے لے لو اور اپنے بچوں کے لیے فلاں فلاں چیز خرید لو۔

آہ! ایک دن واپس آتے ہوئے ایک گاڑی دوسری گاڑی سے ٹکرا گئی، جس سے والدہ کے دماغ میں چوٹ لگی اور ان کا جسم بے حس وحرکت ہو گیا، جو دوسروں کی خدمت میں دن رات مصروف رہتی تھی۔ وہ دوسروں کی محتاج بن گئی، اپنے ہاتھوں سے کھانے پینے کی حتی کہ صفائی کے لیے بھی دوسروں کی محتاج ہو چکی تھی، وہ بھائی اور بھابھی جو ماں سے بڑا پیار کیا کرتے تھے، صرف اس لیے کہ وہ ان کی خدمت کرتی، ان کو پیسے دیا کرتی تھی، اس سے نفرت کرنے لگے، بھابھی نے بھائی سے کہا کہ والدہ کو گھر سے نکال دو، مجھ سے خدمت نہیں ہو سکتی، اسے اپنی بہن کے گھر چھوڑ آؤ، کیونکہ اس سے زیادہ قریبی اور کوئی رشتا تھا

ہی نہیں۔ بھائی نے حکم کی تعمیل کی اور والدہ کو میرے پاس لے آیا۔

میں بڑی خوش تھی کہ چند دنوں بعد وہ والدہ کو واپس لے جائے گا۔ میں والدہ کو کھانا کھلاتی، صفائی کرتی اور ہر خدمت انجام دیتی رہی اور اس دوران میں اپنے خاوند کی طرف توجہ کرنا مشکل ہوگئی، سارا وقت والدہ کی خدمت میں ہی گزر جاتا تھا۔

ایک دن میرے خاوند نے کہہ ہی دیا کہ یا مجھے رکھو یا اپنی والدہ کو! پس ایک فیصلہ کرنا ہو گا۔ میں نے آنِ واحد میں یہ فیصلہ کر لیا کہ والدہ کو نہیں چھوڑوں گی، کیوں کہ اس کی خدمت کرنے والا کوئی مل نہیں سکے گا، جب کہ خاوند تو اور بھی مل جائے گا۔

طلاق ہوگئی اور میں اپنے دونوں بچوں اور والدہ سمیت کرائے کے ایک مکان میں رہنے لگی۔ زیورات بیچ کر گزر اوقات شروع کر دی، یہ روپیا کب تک چل سکتا تھا؟ آخر ختم ہوگیا۔ مالک مکان کرایہ مانگتا، اس کی مِنت کر کے کچھ مہلت لی، مگر وسائل تو تھے نہیں، آخر مالک مکان کا حوصلہ جواب دے گیا، اس نے ہمیں مکان سے نکال دیا۔ میں بیمار والدہ اور بچوں سمیت گھر سے نکل پڑی، مگر... جانا کہاں ہے؟ کوئی مکان نہیں، کوئی معاون و مددگار نہیں۔ آخر کار سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے اس مختصر خاندان نے ڈیرے ڈال لیے، لوگ گزرتے ہوئے ہماری کچھ نہ کچھ مدد کر دیتے، جس سے ہم اپنا پیٹ پالنے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک روز ایک صاحبِ ثروت نے ہمیں کافی رقم دی، اگلے دن آیا تو ہم وہاں ہی تھے، کہنے لگا کہ تم ابھی ادھر ہی ہو؟ میں نے جواب دیا: ہم کہا جا سکتے

ہیں، ہمارے پاس کوئی رہنے کی جگہ ہی نہیں ہے، ہمارا قریبی (بھائی) ہمیں چھوڑ چکا ہے تو ہم اور کس کے پاس جائیں؟

وہ آدمی پریشانی کے عالم میں کھڑا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ دوبارہ آ کر کہنے لگا: ان بچوں کو اٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو، میں نے کہا: ٹھیک ہے، لیکن... کہاں جانا ہے؟ کہنے لگا: اس سے اچھی جگہ ہی ملے گی، میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے والدہ، بچوں اور سامان کو گاڑی میں رکھا اور ایک چھوٹے سے مکان میں پہنچ گئے۔ گھر کا دروازہ کھولتے ہی اس نے ہماری خوش بختی کا دروازہ ہی کھول دیا، جس سے ہم ہر آنے جانے والے کی نگاہوں سے محفوظ ہو گئے اور ہمیں راحت نصیب ہوئی۔

اس مہربان کے یہ الفاظ تھے: ''یہ تمھارا گھر ہے، کوئی آپ کو یہاں سے نکالے گا اور نہ تم سے یہ گھر چھینے گا اور نہ کرائے کا مطالبہ کرے گا اور باقی ضروریاتِ زندگی مَیں ابھی لے کر آ رہا ہوں۔ ہر ہفتے وہ مہربان ہمیں ضرورت کی اشیا مہیا کرتا تھا، کھانا، لباس اور فروٹ وغیرہ سب کچھ وافر مقدار میں ملنے لگا۔ دو یا تین ہفتوں کے بعد اس کی بیوی بھی ہمارے پاس آیا کرتی تھی، تاکہ ہماری حالت سے اچھی طرح واقفیت ہو جائے، ہر ہفتے ہمیں دیگر ضروری اشیا کے لیے الگ پیسے بھی دیا کرتے تھے، تقریباً چار سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، اسی دوران میں والدہ فوت ہو گئی، میں نے اپنے بھائی کو اطلاع دی اور دیگر عزیز واقارب بھی آئے، کفن و دفن کا بندوبست ہوا۔ بھائی دوسرے لوگوں کی طرح آیا اور چلا گیا، اس نے کوئی بات کی اور نہ پوچھا کہ تمھارا گزارا کیسے چل رہا ہے۔ اس نے تعزیت کے کلمات بھی ادا کرنا گوارا نہ کیے۔ اس مہربان کو کئی ایام

گزر جانے کے بعد معلوم ہوا کہ میری والدہ فوت ہو چکی ہے، وہ اظہارِ تعزیت کے لیے آیا، بہت معذرت بھی کی کہ مجھے پتا نہیں چل سکا۔

اس دوران میں دونوں بچے سکول جا رہے تھے اور میں گھر میں اکیلی ہوتی اور سارا دن فارغ بھی، میں نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کی کہ اپنی بیوی کو ہمارے گھر کچھ وقت کے لیے چھوڑ جائیں، آخر ایک دن اس کی بیوی آئی تو میں نے اس کی خدمت میں عرض کی کہ میں اب فارغ ہوں، میں کوئی ملازمت کرنا چاہتی ہوں، تو اس خاتون نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے خاوند سے مشورہ کر کے آیندہ ہفتے اس کا جواب دے گی، آیندہ ہفتے وہی مہربان آئے اور کہا کہ آپ کے گھر کے قریب ہی لڑکیوں کے سکول میں آپ کی ملازمت کا بندو بست ہو چکا ہے، میرے دونوں بچے بھی اسی سکول میں زیرِ تعلیم تھے۔

سکول کے قوانین کے مراحل طے کرنے کے بعد میں نے بڑی محنت ولگن کے ساتھ پڑھانا شروع کر دیا۔ چند ہی دنوں میں مَیں سب کی منظورِ نظر بن گئی۔ سکول کی مدیرہ سے لے کر عام ٹیچرز، حتی کہ لڑکیاں بھی بہت زیادہ محبت کرنے لگیں اور میرے بچوں کے لیے کپڑے وغیرہ لاتی تھیں اور وہ کپڑے بھی بالکل نئے اور میرے ہی بچوں کے لیے خریدے گئے ہوتے تھے۔

یہ سلسلہ جاری تھا۔ وقت اپنی رفتار کے مطابق گزرتا جا رہا تھا اور میں بڑی ہی اچھی زندگی گزار رہی تھی۔ یہ والدہ کی خدمت کا صلہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہا تھا، اس پر جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔

ایک دن اچانک میرا بھائی نمودار ہوا، وہ انتہائی پریشان دکھائی دے رہا تھا اور اپنی غلطی پر شرمندہ بھی تھا اور معذرت بھی کر رہا تھا۔ جب میں نے سبب

پوچھا تو اس نے بتایا کہ آگ لگنے سے اس کا سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا ہے، جب بیوی کو معلوم ہوا تو وہ چھوڑ کر چلی گئی اور اس نے طلاق لے لی ہے۔

یہی وہ بیوی ہے، جس کی خاطر میں نے والدہ کو گھر سے نکال دیا تھا، یہ میری بدنصیبی تھی کہ والدہ پر بیوی کو ترجیح دی، یہ خسارے والی تجارت ہے، میں اعلیٰ ترین چیز کی قیمت گھٹیا ترین چیز سے لگائی، اب مجھے اس بات کا احساس ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پہ رحم فرمائے۔[1]

[1] مجلة الأسرة.

تین بیٹے

ہندوستان کی معروف حکایت ہے کہ ایک آدمی فوت ہو گیا، اس کے تین بیٹے تھے۔ باپ کے ترکے میں انھیں ایک خوبصورت تربوز ملا، جس سے تمام بیٹے بہت زیادہ محبت کرتے تھے، انھوں نے ایک محفوظ مقام میں اس تربوز کو سنبھال دیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد تربوز خراب ہونا شروع ہو گیا اور اس سے بدبو آنے لگی، جو سارے گھر میں پھیل گئی۔ اس مشکل اور پریشانی سے نجات پانے کے لیے تینوں بھائی جمع ہوئے۔

ایک بھائی گویا ہوا: یہ تربوز ہمیں وراثت میں ملا ہے، اس کی حفاظت ضروری ہے۔ بدبو کی کوئی پروا نہیں، ہمیں مرنا منظور ہے، کوئی کوتاہی قبول نہیں۔

دوسرا بھائی: اس حالت میں تربوز کو سنبھالنا کوئی عقل مندی نہیں، نیا تربوز خرید لیں، کیونکہ تربوز ایک جیسے ہی ہوتے ہیں، ہمیں اپنے والد کی یاد آتی رہے گی۔

تیسرا بھائی: مجھے تم دونوں کی رائے سے اتفاق نہیں، اس تربوز کے بیج نکال کر زمین میں بوئیں اور تربوز تیار ہو جائیں گے، جس سے والد کی یاد قائم رہے گی۔ جھگڑا طول پکڑ رہا تھا، آوازیں بلند ہونے لگیں، شور وغل سن کر لوگ جمع ہو گئے، ہر ایک جھگڑا ختم کرنے کی کوشش میں تھا۔ آخر کار تیسرے بھائی کی رائے کو قبول کر کے تربوز کے بیج نکال کر زمین میں بوئے گئے، جس سے بہت زیادہ تربوز حاصل ہوئے، جو خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوش ذائقہ بھی تھے۔

ماں جب گھر سے نکلی

وہ اپنی والدہ کے لیے دنیا کی بہار تھا، اسی کے دم سے اس کی دنیا آباد تھی۔ وہ اکلوتا بیٹا تھا اور ماں بھی اکیلی ہی تھی۔ خاوند فوت ہوا تو یہ چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ تھا اور ایک پرانا اور بوسیدہ مٹی کا گھر تھا، جسے جدید دور کے لوگ دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، ان لوگوں کے لباس ان کے دلوں سے زیادہ صاف ستھرے ہیں۔ پہلے لوگوں کے کپڑے تو زیادہ صاف نہیں ہوتے تھے مگر دل بالکل صاف و شفاف ہوا کرتے تھے۔

بالکل تھوڑی سی آمدنی پر گزارا چل رہا تھا اور اسی میں سے کچھ بچا کر آیندہ مشکل حالات کے لیے محفوظ کیا جا رہا تھا۔ اسی طرح پرورش جاری رہی اور بچہ سکول جانے کے قابل ہو گیا۔ مستقبل کی کامیابیوں کا یہ پہلا دن تھا کہ وہ سکول کی طرف روانہ ہوا۔ بستے میں ضروری سامان کے ساتھ دوپہر کے کھانے کے طور پر ایک روٹی ڈال دی گئی تھی۔ سرخ رومال جس کا ایک کنارہ زمین پر لگ رہا تھا اور سر پر ٹوپی انتہائی خوبصورت منظر پیش کر رہی تھی، ماں اپنے بیٹے کو اس حال میں دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی اور خوشی کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ وہ روزانہ صبح کے وقت اسے سکول چھوڑنے کے لیے جاتی اور پچھلے پہر سخت گرمی میں اسے لینے کے لیے جاتی، بڑے ہی پیار سے اپنے پیارے کے (جس سے اس کی دنیا آباد تھی) رخساروں کو بوسہ دیتی اور اس کا بیگ خود اٹھائے اسے

گھر لے کر آتی تھی۔

یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ اس نے پرائمری کا امتحان اچھے نمبروں میں پاس کر کے انعام وصول کیا۔ یہ خبر والدہ کے لیے بڑی ہی پر مسرت تھی، وہ خوشی سے ہر ملنے والے کو بتا رہی تھی۔ تعلیم کا یہ دور جاری رہا اور یہی بچہ جوان ہو کر یونیورسٹی کا طالب علم بنا اور سندِ فراغت حاصل کر کے بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے روانہ ہونے کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔ دونوں ماں بیٹا ابھی تک اپنے اسی پرانے گھر میں رہ رہے تھے۔ یہ مرحلہ والدہ کے لیے ایک اعتبار سے باعثِ مسرت تھا، جب کہ دوسرے اعتبار سے پریشان کن تھا کہ اس کا جگر گوشہ اس سے جدا ہو جائے گا۔

سارے معاملات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے تھے، وہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوا چاہتا تھا، جونہی اس نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور گاڑی روانہ ہوئی، جو اسے ایئرپورٹ تک پہنچانے والی تھی، تو ماں بیٹے کی جدائی میں زار و قطار رو رہی تھی، قریب تھا کہ شدت غم کی وجہ سے اس کا کلیجا پھٹ جائے۔

تعلیم کا دورانیہ چھے سال تھا، اس دوران سوائے خط کتابت کے رابطے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا، وہ بھی بیچاری ہمسایوں سے لکھوایا کرتی تھی، یہ بیچاری اس کی تصویر کو دیکھتی، چومتی، سینے سے لگاتی اور روتے روتے نیند آ جاتی تھی، اس امید پر کہ خواب میں ہی شاید بیٹے سے ملاقات ہو جائے۔ اسی طرح یہ کئی سالوں پر محیط سفر جاری رہا اور اس سب معاملے میں اللہ تعالیٰ کی مدد ہی شامل حال تھی۔

بیٹا ڈاکٹر بن چکا تھا اور ایک روز والدہ کو خط ملا، جس میں یہ لکھا ہوا تھا

کہ چند ہی دنوں کے بعد میں واپس آ رہا ہوں۔ یہ خبر سنتے ہی ماں کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی، اللہ سے اپنی زندگی کی دعائیں کر رہی تھی کہ اللہ مجھے اپنے بیٹے کا عروج دیکھنا نصیب فرما! اس خوشی میں کہ اس کا بیٹا باہر سے ڈاکٹر بن کر آ رہا ہے، اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور چلی گئی۔

ایک دن نیند غالب آ گئی اور وہ سو گئی۔ اس دوران میں اچانک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک تیس سالہ نوجوان دونوں ہاتھوں میں دو بڑے بڑے بیگ تھامے آ رہا تھا اور جسم پر ایسا لباس تھا جو جدید ماحول سے تعلق رکھنے والا تھا اور پاؤں میں بڑا ہی خوبصورت اور چمک دار جوتا پہنے ہوئے تھا، ماں دیکھتے ہی اپنے بیٹے سے چمٹ گئی۔ عرصہ دراز کے بعد جب بیٹے کو دیکھا تو اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکی اور ملتے ہی رونے لگی اور رونے کی آواز کچھ اس قدر بلند تھی کہ گھر کے صحن میں موجود لوگ، جو ڈاکٹر بن کر آنے والے اس نوجوان کو خوش آمدید کہنے آئے تھے، پریشان ہو گئے۔

کچھ عرصے کے بعد اس نے ایک شایانِ شان مکان خریدا اور یہ پرانا مکان سستے داموں فروخت کر دیا۔ اس کی پرانے گھر کی طرف بالکل کوئی رغبت نہیں تھی۔ یہ منظر والدہ کے لیے بڑا پریشان کن تھا، اس لیے کہ اس نے یہاں عمر گزاری تھی اور آس پاس بہترین قسم کے ہمسائے، جو بڑے ہی اچھے اور خیر خواہ تھے، موجود تھے۔ یہ مکان چھوڑنا اس کے لیے ایسے ہی تھا گویا اس کے جگر کو کاٹ کر الگ کیا جا رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے بعد اپنے بیٹے کو راضی کرنے کے لیے وہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔

ایک دن ایک نہایت ہی خوبصورت، دیندار، پاکدامن اور انتہائی فرمانبردار لڑکی کا رشتا آیا، مگر وہ یہ صورت حال دیکھ کر ہنسنے لگا اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا کہ ابھی شادی کا وقت نہیں آیا ہے۔ آخر وہ وقت ایک دن آ ہی گیا، جب اس نے اپنے معیار کی ایک عورت سے شادی کر لی۔

وہ لڑکی حسین وجمیل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی متکبر تھی، جو اس کی والدہ کی باتوں، لباس اور حالت سے نفرت کرتی تھی، اسے بوڑھی اور قدیم عورت، جو حالات کے تقاضوں سے بالکل نابلد ہے، سمجھ کر اس کی کوئی عزت وتوقیر نہیں کرتی تھی۔ اس کے باوجود ماں نے صبر وشکر کا مظاہرہ کیا اور اپنے بیٹے کو اس کی خبر تک نہیں ہونے دی، تاکہ اس کے معاملات متاثر نہ ہوں۔

اس کی بیوی والدہ کو روزانہ نئے نئے عذابوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرتی تھی، جب وہ گھر آتا تو والدہ کو ایک الگ کمرے میں کر دیتی اور سارے دن کی باتیں اسے بتاتی۔ دن بہ دن اس کا رویہ ماں کے ساتھ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ بیٹا جب بھی ماں سے اپنی بیوی کے متعلق سوال کرتا، تو وہ اس کی بڑی تعریفیں کرتی کہ وہ بہت اچھی ہے، حالانکہ یہ بڑی ہی تعجب کی بات ہے کہ بیوی کا رویہ بالکل اچھا نہیں تھا۔

ایک روز ماں گھر کے صحن میں اس کی بیوی کے کپڑے دھو رہی تھی اور بیوی اپنے طویل بال کھولے ہوئے ناگن کی طرح پاس کھڑی تھی، بیٹا آمرانہ انداز میں ماں سے مخاطب ہوا: امی! آپ کو میری بیوی کے مقام کا لحاظ کرنا ہوگا، اس کی سہیلیاں ملنے کے لیے آئیں تو خوبصورت کپڑے پہن کر اچھے انداز میں گفتگو کرنا ہوگی ورنہ...؟ بوڑھی والدہ نے پیچھے دیکھا کہ شاید وہ کسی اور سے

مخاطب ہے، لیکن اس کے علاوہ تو گھر میں اور کوئی تھا ہی نہیں، اسے سمجھ آ گئی کہ یہ کلام مجھ ہی سے کی جا رہی ہے۔ بس! ماں کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، وہ ساری دنیا ہی کھو چکی تھی، جسم کی طاقت جواب دے گئی، بڑی مشکل سے چل کر اپنے چھوٹے سے کمرے میں پہنچی اور بستر پر لیٹ گئی اور منہ ڈھانپ کر اس انداز سے رونے لگی کہ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی کلیجا پھٹ جائے گا۔

یہ سارا معاملہ چوں کہ بیوی کے سامنے ہوا تھا، جس سے اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور اس کی خباثت میں اضافہ ہو گیا۔ وہ دلیر ہو کر کہنے لگی: آپ تو ہمارے ہر کام میں دخل اندازی کرتی ہیں، یہ پرانا طریقہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا، نہ ہم آپ کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور نہ آپ کا ہمارے ساتھ گزارا ممکن ہے۔

یہ بات سنتے ہی والدہ نے اپنا کپڑوں والا بیگ اٹھایا اور محل سے نکل پڑی۔ محل کے دروازے کے سامنے کھڑی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری تھے۔ ماں آخر ماں ہی ہوتی ہے، اتنے برے سلوک کے باوجود بھی اس کی زبان پہ یہ الفاظ تھے: ''بیٹا! اللہ آپ پہ رحم فرمائے'' اللہ کی قسم! میں تو ہر وقت اور ہر حال میں تم دونوں کی خیر و بھلائی ہی سوچتی رہی، میں نے تو تمھیں کبھی کوئی تکلیف نہیں دی، اس نے آہ بھری اور نامعلوم مقام کی طرف چل دی۔

ماں کے گھر سے جانے کے بعد بیٹے کے مردہ ضمیر میں کچھ زندگی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے ماں کی تلاش میں نکلنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ نرم و نازک حسین و جمیل بیوی آڑے آ گئی اور وہ اس کے سامنے بے بس ہو کر بیٹھ گیا۔ کئی ماہ گزر چکے تھے، ماں مسلسل اپنے بیٹے کے متعلق پڑوسیوں سے دریافت کرتی کہ میرے بیٹے کا کیا حال ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد دی

ہے؟ یہ بیچاری لوگوں کے گھروں میں دھکے کھاتی ہوئی وقت گزار رہی تھی، چند دن ایک گھر، پھر دوسرے اور پھر تیسرے گھر چلی جاتی اور لوگوں کے صدقات و خیرات پر گزارا کر رہی تھی، یہ صورتِ حال اس کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی، مگر کیا کرتی اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

بیٹا اچانک بیمار ہوا، ہسپتال میں داخل تھا کہ ماں کو کسی طریقے سے خبر ہو گئی، وہ اپنے بیٹے کی عیادت اور ملاقات کے لیے ہسپتال آئی تو بیوی (جو ماں کے گھر سے نکالنے کا سبب بنی) دروازے کے سامنے کھڑی تھی، اسے دیکھ کر بپھر گئی، ڈاکٹروں اور دیگر مریضوں سے کہنے لگی: یہ خاتون تو دیوانی ہے، طبی آلات سے بڑا ڈرتی ہے، اسے یہاں سے نکال دیا جائے، جب کہ وہ بیچاری پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ میں اپنے بیٹے اور جگر کے ٹکڑے کو ملنا چاہتی ہوں، مجھے بیٹے کی زیارت سے محروم نہ کیا جائے، دوسری طرف اس کے بیٹے کو بالکل بے خبر رکھا گیا، علاج معالجے پر بہت سی رقم خرچ ہو چکی تھی، نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ گھر کا بہت سا سامان بھی فروخت ہو چکا تھا۔ یہ ناگن ایک دن بہت سے مطالبات لے کر خاوند کے سامنے آئی، مگر جب اسے مطالبات پورے ہوتے نظر نہ آئے تو یہ غصے میں بولنے لگی: میں نے بڑا صبر کیا ہے، تجھ سے اور تیری والدہ سے بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں، اب تو میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، آپ جیسے فقیر کے ساتھ میں نہیں رہ سکتی، مجھے طلاق دے دو، مجھے طلاق چاہیے، مجھے طلاق چاہیے۔

یہ آواز اس کے لیے بڑی ہی حیران کن اور تکلیف دہ تھی، وہ ایسے محسوس کر رہا تھا گویا وہ صحرا میں بے یار و مددگار پڑا ہے، آخر اسے طلاق دینا ہی پڑی۔

اب وہ اپنی والدہ کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس کی پرانی یادداشت تازہ ہو چکی تھی۔

ایک ایک دروازے پر دستک دے کر پوچھتا: میری امی یہاں ہیں؟ گویا اس نے ہر قسم کے رفاہی ادارے اور ہسپتال چھان مارے، مگر والدہ کو تلاش کرنے میں ناکام ہوا۔ وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ اب وہ فوت ہو چکی ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ایک دن واپسی پر ایک مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے ایسا منظر دیکھا، جس سے بڑے بڑے ملحد اور گناہ گار توبہ کرنے پر مجبور ہو جائیں، جس سے دل دہل جائیں اور آنسوؤں کی لڑی بہنے لگے، یہ کیسا منظر ہو سکتا ہے؟

یہ اس کی والدہ تھی جو مسجد کے پاس فٹ پاتھ پر ہاتھ پھیلائے بھیک مانگ رہی تھی۔ اس کی ساری زندگی اسی طرح مصائب میں گزری اور اب وہ ایک ایک روپے کو ترس رہی تھی۔ گردشِ زمانہ نے اسے مساجد کے سامنے بیٹھ کر مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی وہ ماں کے قدموں میں گر پڑا، اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور زور زور سے رونے لگا۔ لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران ہو رہے تھے، والدہ کو وہاں سے لے کر گھر کی طرف روانہ ہوا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے: میں لعنت بھیجتا ہوں نافرمان بیوی، اِس ڈاکٹری، اِس تنخواہ، اِس محل پر اور ہر اُس فرد پر جس نے میرے اور میری والدہ کے درمیان جدائی ڈال دی۔[1]

(1) المجلة العربية [بتصرف].

بیٹا مجھے ڈر لگتا ہے

لکھنے کے لیے قلم ہاتھ میں پکڑا ہی تھا کہ تفکرات کے سمندر میں تیرنے لگا اور پریشانیوں اور خیالات میں غوطہ زنی کرنے لگا، لہریں اسے مصائب کے ساحل کی طرف دھکیل رہی تھیں، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور یہ داستان لکھنا شروع کی۔

ایک خوشحال نوجوان جسے ہر قسم کی ضروریات زندگی وافر مقدار میں میسر تھے اور دنیا کی تمام نعمتوں سے مالا مال تھا، دنیاوی لذتوں میں اتنا مصروف کہ کبھی سیر ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ میں اپنے معاملات میں کلی اختیارات رکھتا تھا، جس کے ساتھ جہاں اور جس وقت چاہتا چلا جاتا، جب چاہتا واپس لوٹ آتا، کوئی دخل اندازی کرنے والا نہیں تھا۔ دن سونے میں گزرتا اور رات سیر و تفریح میں گزرا کرتی تھی، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں تھی، غفلت اس قدر غالب آچکی تھی کہ دل کی بصیرت اور آنکھوں کا نور ختم ہو چکا تھا، بس ایک ہی چیز پر نظر پڑتی تھی، اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تھی۔

کبھی کبھار والدہ غم بھری لرزتی ہوئی آواز میں کہہ رہی ہوتی: ''بیٹا! مجھے ڈر لگتا ہے'' مگر میں اس کی پروا ہی نہیں کرتا تھا اور اسے مذاق سمجھا کرتا تھا۔ میری اس حالت کو دیکھ کر اس کے غم میں اضافہ ہوتا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے اور زبان پر یہ الفاظ ہوتے تھے ''بیٹا! مجھے ڈر لگتا ہے'' مگر مجھے بڑا ہی تعجب ہوتا کہ یہ بوڑھی بیچاری آخر کس بات سے ڈرتی ہے؟ میں تو نوجوان

ہوں، طاقتور اور بہادر ہوں، لہٰذا رونے اور پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر وہ ہو ہی گیا جس سے ڈر لگ رہا تھا۔ میں تو غفلت کی نیند سویا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہر چیز سے باخبر ہے۔ میری آنکھیں بند ہو چکی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ تو ہر وقت بصیر ہے۔ جب مجھے ہوش آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ اور پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور والدہ کی نافرمانی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ ایک جیل کا قیدی نہیں، بلکہ بہت سی جیلوں کا قیدی تھا، کانوں میں ماں کی شفقت بھری آواز گونج رہی تھی ''بیٹا! مجھے ڈر لگتا ہے''

ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک جیل وہ تھی جس کا نام حسرت ہے، والدہ اللہ کو پیاری ہو چکی تھی، بس دن رات ایک ہی کلمہ زبان سے نکلتا تھا: اللہ مجھے معاف فرما دے، اللہ مجھے معاف فرما دے۔ ساری رات نماز پڑھتے ہی گزر گئی، یہ بھی معلوم نہیں کہ کتنی رکعات ادا کیں۔ رہ رہ کر والدہ کی یاد آ رہی تھی، پرانی یادیں پھر سے تازہ ہو رہی تھیں، اپنے کیے ہوئے سارے اعمال سامنے آ رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی کی ہوئی نافرمانیاں اور والدہ کی نافرمانی اور اس کے ساتھ اپنایا جانے والا سخت رویہ سامنے تھا، جس سے حسرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، معاملہ یہاں تک پہنچ چکا تھا، ایسا محسوس ہونے لگا کہ میری معافی اور بخشش کی تمام راہیں بند ہو چکی ہیں، لیکن اس انتہائی مشکل اور پریشان کن حالات میں میرے سامنے ایک نور نمودار ہوا اور ایک بڑی ہی عمدہ اور محبت بھری آواز سنائی دی:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ

رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [الزمر: 53]

''اے محمد ﷺ! اعلان فرما دیں (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میرے بندو! میری رحمت سے ناامید نہ ہونا، اللہ تعالیٰ تو سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، وہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔''[1]

---

[1] مجلة الدعوة العدد [1620]

میں آپ کا باپ ہوں...

طلوعِ فجر کا وقت قریب ہی تھا کہ دروازے پر زور سے دستک ہوئی۔ یہ سنتے ہی دل میں خیال آیا کہ یا اللہ! خیر ہو، اس وقت کون ہوسکتا ہے؟ دل ہی دل میں خیال پیدا ہو رہا تھا، کہیں کوئی محتاج تو نہیں جو حوادثاتِ زمانہ کا مارا ہوا اس سخت سردی میں دستک دینے پر مجبور ہوا ہے۔ دروازے کے قریب پہنچا تو ایک انسان کے ہانپنے کی آواز سنائی دی، جس نے پریشانی میں اور اضافہ کر دیا، جلدی سے دروازہ کھولا تو سامنے ایک بوڑھا، جو زخموں سے چور تھا، تھکاوٹ کی وجہ سے دروازے کے سامنے آ کر گر پڑا۔ وہ بڑی مشکل سے سانس لے رہا تھا۔ تھوڑا سا غور کیا تو وہ ہمارے حضر نامی بزرگ تھے۔ دیکھتے ہی مَیں پوچھنے لگا: بزرگو! سخت سردی اور بارش کے اس موسم میں اس وقت؟ آخر کیا معاملہ پیش آیا ہے؟ تھکاوٹ و کمزوری کے ساتھ ساتھ سردی کی شدت اتنی غالب آ چکی تھی کہ وہ بزرگ کوئی جواب تو نہ دے سکے، لیکن اشارہ کیا کہ مجھے انگیٹھی کے قریب کر دو۔ میں ان کو کمرے میں لے گیا اور انگیٹھی کے قریب بٹھا دیا۔ کچھ وقت کے بعد ان کا توازن درست ہوا تو وہ کہنے لگے: بیٹا! میری باتیں غور سے سنو اور ان کو اچھی طرح یاد کرلو، ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں بعد مجھے موت آ جائے۔

اس بزرگ نے اپنی داستان کا آغاز کرتے ہوئے کہا: بیٹا! آپ کے والدِ محترم میرے بہت اچھے دوست ہیں، وہ ایک مرتبہ ہمارے گاؤں ملنے کے

لیے گئے، میں نے ان کو یہ بات بتائی کہ میرا بیٹا سلیمان ہے، میں ساری منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اس کے نام لگوانا چاہتا ہوں، وہ بہنوں کا اکیلا بھائی ہے، بہنیں تمام شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں آباد ہیں۔ یہ بات سنتے ہی اس نے مجھے منع کرنے کی کوشش کی، مجھے بہت سمجھایا کہ خضر! ایسا ہرگز نہ کرنا، بعد میں آپ کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک تو بہنوں کا حق اسے دینا زیادتی ہے اور دوسرے یہ کہ سلیمان آپ کی عزت و تکریم نہیں کرے گا، خصوصاً جب آپ محتاج اور بوڑھے ہو جائیں گے۔ جب میں نے اپنے ارادے پر قائم رہنے کا اظہار کیا تو آپ کے ابو مجھ سے ناراض، بلکہ سخت ناراض ہوئے۔ جہالت و حماقت میرے اوپر غالب تھی کہ میں نے ان کی اس ناراضی کی پروا نہ کرتے ہوئے ساری جائیداد اپنے بیٹے سلیمان کے نام کر دی، تاکہ میرے مرنے کے بعد باقی بہنیں حصہ وصول نہ کر سکیں۔

اچانک اس بزرگ نے آہ بھری، ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر آ جائے گا۔ آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے بزرگ فرمانے لگے کہ ایک سال کا عرصہ ہی گزرنے پایا تھا کہ وہ بیٹا (سلیمان)، جس کو میں نے سب بیٹیوں پر ترجیح دی تھی اور اپنے پاس دنیا کی کوئی چیز نہ رکھی تھی، اس کے تیور بدلنے شروع ہو گئے اور اس کی بیوی بھی اس کام میں برابر کی شریک تھی۔ دونوں کا انداز سختی میں دن بدن ترقی کرتا جا رہا تھا۔ مجھے یہ بات ناگوار گزری، میں نے سلیمان سے کہا: بیٹا! آپ کا یہ سلوک بوڑھے باپ کے ساتھ درست نہیں ہے، تو سلیمان کہنے لگا:

او بوڑھے! یہ بات غور سے سن لے! میں تو صبر کر لوں گا، لیکن غیر کی بیٹی

(میری بیوی) ہرگز صبر نہیں کر سکتی! ہم نے بہت صبر کیا ہے، مگر آپ اپنا پرانا دیہاتی طریقہ اور بڑھاپے کی وجہ سے عجیب و غریب حرکات کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، آپ ہمارا جینا دوبھر نہ کریں۔ یہ کہتے ہوئے ساتھ ہی خضر زار و قطار رونے لگا تو میں نے اسے تسلی دی۔ اس نے پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: یہ وہی سلیمان ہے جس کے پیچھے میں نے سب کچھ قربان کیا ہے۔

حالات کی بہتری کے متعلق سوچ بچار میں مگن تھا کہ اچانک دل میں خیال آیا کہ فلاں آدمی سے سلیمان کے کاروباری معاملات ہیں اس سے کچھ رقم لے لیتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تھوڑی سے مہلت کی ضرورت ہے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ سلیمان سمیت آ گیا، سلیمان نے بڑی باتیں کیں کہ آپ کون ہوتے ہیں اس سے مطالبہ کرنے والے۔ یہ انداز دیکھ کر مجھے غصہ بھی آیا اور میں نے سخت انداز میں سلیمان کو مخاطب کیا۔ بس پھر کیا تھا، اس نے میرے چہرے پر تھپڑ مارنے شروع کر دیے، جن کی تکلیف ابھی تک محسوس ہو رہی ہے۔ پھر اس نے میرے گریبان سے پکڑ کر گدھے کی طرح کھینچتے ہوئے گاؤں سے باہر نکال دیا اور ساتھ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر تو نے اس بستی کو نہ چھوڑا تو تجھے قتل کر دوں گا۔ ساتھ ہی اس نے عائشہ (جو سلیمان کی بہن تھی) کو پیغام بھیجا کہ اس (بوڑھے) کو آ کر لے جاؤ، تو عائشہ اپنے خاوند سعید کے ہمراہ مجھے لینے کے لیے آئی اور کہنے لگی: آپ ہمارے ساتھ چلیں، ہم آپ کی بڑی خدمت کریں گے۔ اصرار اس حد تک تھا کہ سعید (جو میرا داماد تھا) میرے پاؤں میں گر پڑا کہ آپ ضرور ہمارے ہاں تشریف لے چلیں۔ نہ چاہتے ہوئے میں نے ان کی بات قبول کر لی، آخر اس بستی کو چھوڑنا ہی پڑا

جس میں زندگی کا ایک لمبا عرصہ گزارا ہوا تھا۔

کچھ عرصہ میں ان کے پاس رہا، انھوں نے میری بڑی خدمت کی، مگر وہاں رہنا میرے لیے بڑا دشوار تھا۔ ایک رات میں ان کو سوتے ہوئے چھوڑ کر نکل آیا، اپنے گاؤں میں پہنچا اور اپنے ہاتھوں سے بنایا ہوا مکان دیکھنا چاہتا ہی تھا کہ میری بہو (سلیمان کی بیوی) نے مجھے دیکھ لیا اور دیکھتے ہوئے شور مچا دیا۔ سلیمان نے سنتے ہی لاٹھی پکڑی اور بے دردی سے مارنا شروع کیا۔ میں کہے جا رہا تھا: بیٹا! میں آپ کا باپ ہوں'' ، ''میں آپ کا باپ ہوں'' لیکن وہ اس چیخ پکار سے بالکل بے خبر مارنے میں مصروف تھا کہ میں زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو سلیمان نے ایک نوکر کو بڑی تاکید کی کہ اس (بوڑھے) کو عائشہ (بیٹی) کے پاس ساتھ والے گاؤں میں چھوڑ کر آنا ہے اور سعید سے وعدہ لینا ہے کہ وہ دوبارہ اس (بوڑھے) کو یہاں نہ آنے دے۔ یہ نوکر کسی زمانے میں میرا بھی ملازم رہا تھا، میں نے گزارش کی کہ وہ مجھے آپ کے ہاں چھوڑ دے اور اس کی خبر سلیمان کو نہ ہونے پائے۔

بیٹا! میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ زندگی میں کبھی اپنی بیٹی (غرناطہ) پر بیٹے (اسامہ) کو ترجیح اور برتری نہ دینا، ایسا کرنے سے تجھے نقصان اٹھانا پڑے گا (جیسے میں اٹھا رہا ہوں) اور تو اللہ اور لوگوں کی لعنت کا حق دار بن جائے گا، جیسے میرے ساتھ ہو رہا ہے۔

خضر کی بات یہاں تک پہنچی تھی کہ تھکاوٹ محسوس ہونے لگی اور نیند غالب آنے لگی اس نے اجازت چاہی اور زبان سے سعید! سعید! سعید بیٹا! کہتے ہوئے سو گیا۔

ماں کا قاتل

معاشرے کو برباد کرنے میں منشیات کا بہت بڑا کردار ہے۔ جو اس بیماری کا شکار ہو جاتا ہے، وہ اپنی جان کی پروا نہیں کرتا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنی بہن کو فروخت کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا، اس کے سامنے صرف ایک ہی چیز ہوتی ہے کہ اسے مال ملے جس سے وہ اپنی موت کا سامان (نشہ) خرید سکے، چاہے اس کام کے لیے اسے کسی کو قتل ہی کرنا پڑے۔

اسی طرح کی ہی ایک عجیب وغریب داستان اس نوجوان کی ہے جو نشے جیسی اندھی موت کا شکار ہوا۔ یہ چھ بھائی تھے، ان کے باپ نے ان کی والدہ سے نفرت کرتے ہوئے ایک اور شادی کر لی اور اسے مکمل طور پر چھوڑ دیا۔ یہ بیچاری مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول تھی کہ ایک بیٹا بری مجلس میں بیٹھنے کی وجہ سے نشے جیسے لعنت آمیز جرم میں مبتلا ہو گیا۔ ایک دن والدہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ماں! مجھے اتنی رقم درکار ہے۔ والدہ کے پاس حقیقت میں اتنی رقم نہیں تھی، اس نے قسم کھا کر کہا: بیٹے! میرے پاس اتنی رقم نہیں، مگر اس ظالم اور درندہ صفت انسان نے یہ سن کر کوئی اور ہی پروگرام بنا لیا۔ اس نے ایک بڑی سی چھری اپنے پاس چھپا لی اور رات کے وقت دنیا سے غافل والدہ کو ذبح کر دیا۔ یہ خبر عام ہو گئی کہ گھر کے اندر ہی خاتون خانہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ پولیس کے افراد جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ دیکھا

تو خاتون بستر پر لیٹی ہے اور اسی حالت میں اسے قتل کر کے اس پر بستر دے دیا گیا ہے۔

پولیس والوں نے ہمسایوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو ایک خاتون نے یہ گواہی دی کے بیٹے نے والدہ کو قتل کیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خون آلود چھری اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ اس بالکونی میں کھڑا تھا، جہاں مقتولہ سو رہی تھی۔ اس گواہی سے یہ بات زیادہ پختہ ہوگئی کہ بیٹا ہی قاتل ہے۔

دوسری طرف بیٹا گھر اور محلّہ چھوڑ کر کہیں دور دراز علاقے میں جا چکا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ اپنے چچا کے پاس آیا، تاکہ کچھ روپے حاصل کر سکے، مگر پولیس وہاں موجود تھی، جس نے اسے ہتھکڑی لگا لی۔ کچھ وقت کے لیے تو وہ مجنون اور دیوانہ بنا رہا اور بڑی ہمدردی کا اظہار کرتا رہا کہ میری والدہ کو قتل کر دیا گیا ہے، اس کے قاتل کو ضرور تلاش کیا جائے، لیکن تھوڑے ہی وقفے کے بعد اس نے اقبالِ جرم کر لیا کہ والدہ کو قتل کرنے والا وہ خود ہی تو ہے۔ پھر اس نے پورا واقعہ تفصیل سے بیان کیا اور اس کا سبب یہ بیان کیا کہ یہ سارا جرم نشے کی وجہ سے ہے۔ میں اپنے تمام مسلمان نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ نشے سے باز آ جائیں اور بُرے دوستوں کی مجلس سے کنارہ کشی کر لیں، اس میں ہی ان کے لیے خیر و بھلائی ہے۔[1]

[1] جريدة الهدف الكويتية، العدد [1857] بتصرف.

والدہ کا گلا گھونٹنے والے کا تقدیر نے گلا گھونٹ دیا

ایک مختصر سا خاندان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دو بیٹیاں اور دو ہی بیٹے عطا کر رکھے تھے۔ صاحبِ خانہ انتہائی شریف انسان تھا اور ایک سادہ سا پیشہ اختیار کر کے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے میں مصروفِ عمل تھا۔ یہ بیچارہ صبح سویرے گھر سے نکلتا اور تقریباً آدھی رات کے قریب گھر آیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی بڑی خوش مزاج اور ملنسار تھی۔ نہایت تھوڑی آمدنی کے، باوجود اس کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کے کلمات اور چہرے پہ ہمیشہ مسکراہٹ سجی رہتی تھی۔ وہ اپنی اولاد کے ساتھ بڑی ہی شفقت ومحبت کیا کرتی تھی۔ دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر بالکل راضی نظر آتے تھے۔ بیوی بہت سلیقہ شعار تھی، اس تھوڑی سی رقم کو اس انداز سے استعمال کرتی کہ معاملہ بڑا احسن طریقے سے چلتا رہا۔

کھانے کا انداز کچھ اس طرح کا تھا کہ روٹی کم اور پانی زیادہ پی کر گزارا کرتے، زمین پر سو جاتے اور والدین کی بہت زیادہ محبت لحاف اور بستر کا کام دیتی تھی۔ باورچی خانے کی کھڑکی سے مختلف گھروں میں تیار ہونے والے مختلف کھانوں کی خوشبو آیا کرتی اور وہ اسے سونگھ کر ہی سیر ہو جاتے تھے۔ ماں بھی ایسی صابرہ اور شاکرہ تھی کہ اس کی زبان پر بھی کبھی شکوہ نام کی کوئی چیز نہیں آتی

تھی اور نہ اس نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کوئی مطالبہ کیا۔ دونوں میاں بیوی اپنی اولاد کو یہ کہہ کر تسلی دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بہت زیادہ مال دے گا، وافر رزق اور اچھا مکان دے گا، یہی وہ امید تھی جس پر وہ ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔

اس گھر کی سب سے بڑی رونق ان کا چھوٹا بیٹا تھا، جس کا نام صالح تھا، وہ گھر میں ہر طرف دوڑتا، کھیلتا، اچھلتا اور کودتا، اس کا یہ انداز والدین کی تمام تھکاوٹوں اور پریشانیوں کو بالکل بھلا کر رکھ دیتا تھا۔

بچیاں دونوں بڑی تھیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ جوان ہو رہی تھیں۔ وسائل کی کمی، بلکہ وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ سکول میں داخل نہ ہو سکیں، وہ گھر میں والدہ کے ساتھ خانہ داری کے کاموں میں معاونت کرتی تھیں۔ اب یہ جوان ہو کر شادی کے قابل ہو گئیں۔ دوسری طرف بڑا بیٹا بھی جوان ہو رہا تھا۔ اس نے محلے کی ایک دکان پر کام شروع کر دیا۔ شام کو تھوڑی بہت مزدوری لے آیا کرتا تھا، جس سے اس کے بہن بھائی اور والدہ بڑا خوش ہوتے تھے۔ بچوں کو بہلانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ والدہ قصائی سے ہڈیاں خرید لاتی، ان کا شوربہ تیار کر کے بچوں کو کھلا دیا کرتی تھی۔

ایک روز بڑی بیٹی بھائی کو ملنے کے لیے کسی کام کی غرض سے دکان پر چلی گئی۔ وہاں سے ایک نوجوان جو اس کے بھائی کے ساتھ ہی کام کرتا تھا، ان کے گھر اس غرض سے آیا کہ مجھے اس لڑکی کا رشتا دے دیا جائے۔ ساری صورتِ حال دیکھ کر اس نے اپنی رضا مندی کا اظہار کر دیا۔ رشتا طے پا گیا اور شادی ہو گئی۔ دونوں ایک الگ مکان میں ایک نئی زندگی گزارنے لگے۔

کچھ عرصہ بعد دوسرے بھائی نے جو پہلے داماد کا حقیقی بھائی تھا، دوسری لڑکی کا رشتا طلب کیا، ان کی بھی شادی ہوگئی اور وہ بھی بڑے ہی پرسکون طریقے سے زندگی گزارنے لگے۔ اب گھر میں وہ چھوٹا صالح ہی تھا، جو والدہ کی خدمت کرسکتا تھا، وہ ناز ونعم میں پلا ہوا کبھی بات مان لیتا اور کبھی انکار کر دیتا، جس کے نتیجے میں والدہ اس سے ناراض ہوتی اور کبھی گالیوں تک نوبت آ جاتی۔

ایک روز والدہ بیمار پڑ گئی اور بیماری بھی ایسی کہ اس نے بستر مرگ پر لٹا دیا۔ وہ بالکل بے حس و حرکت پڑی تھی۔ دونوں بیٹیاں اپنے گھر اور خاوند کی خدمت چھوڑ کر کچھ وقت نکال کر آتیں اور خدمت کرتی تھیں۔ ایک روز والدہ نے پانی مانگ لیا تو اس ظالم نے مارنا شروع کر دیا، چار پائی سے نیچے گرا دیا اور آخر میں بیٹے نے جی ہاں! بیٹے نے ماں کا گلا گھونٹ دیا، جس سے وہ فوت ہو گئی۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون.

وہ گھر سے فرار ہو گیا۔ کفن و دفن کے معاملات سے فارغ ہو کر والد نے بیٹے کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ ہر جگہ چھان مارا، مگر وہ کہیں مل نہ سکا۔ ایک روز اچانک صالح کی ملاقات اس کے دوست سے ہوئی، اس کو دیکھ کر یقین نہیں آ رہا تھا، کہ یہ وہی صالح ہے کہ اچانک زمین پھٹی اور دیکھتے ہی دیکھتے صالح زمین میں دھنس گیا۔ اس واقعہ کی خبر دوست نے اس کے والد کو دی، یہ وہی ہے، جس نے والدہ کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ آخر تقدیر نے اس کا گلا گھونٹ دیا، اس پر نبی کریم ﷺ کا فرمان بالکل صادق آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ

فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ»[1]

''ظلم اور قطع رحمی ایسے گناہ ہیں کہ جن کی سزا بہت جلد دنیا میں ہی مل جاتی ہے اور آخرت میں بھی ضرور ملے گی۔''

اس واقعہ میں والدین کے لیے بہت بڑی عبرت ہے کہ اولاد کی تربیت بڑے احسن طریقے سے کریں، تاکہ دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے ہم کنار ہو سکیں۔[2]

---

1. سنن أبي داود، رقم الحديث [4902]
2. دیکھیں: جريدة "مدينتي" العدد ۱۱ (بتصرف و تعديلات)

امی! مجھے معاف کر دیں...؟

ایک دوست اپنی داستان خود بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اکلوتے بیٹے اکثر ہی بڑے لاڈلے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی نافرمان بھی۔ بچپن ہی سے بڑے ناز و نخرے میں زندگی بسر کی۔ میری پیدائش والا دن تو عید سے کم نہ تھا، والدین، رشتے دار اور عزیز و اقارب سب ہی خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا ہے۔ والدہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔ وہ میری ہر بات مانتی اور ہر خواہش پوری کرتی، حالانکہ ہماری آمدنی بھی کوئی زیادہ نہیں تھی۔ میں جوان ہو رہا تھا اور ساتھ ہی میرے مطالبات بڑھتے جا رہے تھے۔ اگر والدہ کوئی مطالبہ مجھ سے کرتی تو میں اسے ڈانٹ دیا کرتا تھا، اگر کبھی میں اپنی غلطی کی وجہ سے ناراض ہو جاتا اور اپنے کمرے میں چلا جاتا تو والدہ شفقت بھرے انداز میں میرے پاس آ کر مجھے راضی کیا کرتی۔

یہ صورتِ حال میرے والد محترم کو بڑی ناگوار گزرتی تھی۔ میں اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کا ترجمہ یہ کیا کرتا تھا کہ ابا جان مجھ سے جلتے ہیں۔ میں بڑا ہی نافرمان ہو چکا تھا۔

ایک روز ہمارے گھر میں ایک چھوٹی سی تقریب تھی، جس میں قریب کے چند ہمسائے اور کچھ دوستوں کو دعوت دی گئی تھی، لوگ سارے جمع تھے۔ گھر میں خوب روشنی کی گئی۔ میں ان چیزوں سے بالکل غافل ذہن میں ایک بھوت سوار

کیسے کہ میری گاڑی کی چابی کہاں ہے؟ مجھے چابی چاہیے؟ اس کا پس منظر اصل میں یہ تھا کہ میری والدہ مجھے کہا کرتی تھی: بیٹا! جب تم بڑے ہو گے تو ہم آپ کو گاڑی لے کر دیں گے۔ میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ سکول سے فراغت کا دن ہی میری گاڑی کا دن ہے، اسی زعم میں مَیں نے کہا: امی! میری گاڑی کی چابی کہاں ہے؟ ماں نے کہا: بیٹا! ابھی گاڑی کی رقم جمع نہیں ہوئی، جونہی رقم پوری ہو گی، گاڑی لے لیں گے، مگر میں تو کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔ میں نے بڑے غصے میں آ کر پھر وہی سوال کیا۔ والدہ نے مجھے سمجھانا چاہا تو میں نے والدہ کو بازو سے پکڑ کر زور سے پیچھے ہٹا دیا اور گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا، والدہ روکنے لگی، میرا غصہ اتنا شدید تھا کہ آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے، میں نے اسے زمین پر گرا دیا اور خود گھر سے نکل گیا۔

ایک دوست کے پاس رات گزاری، صبح ہوتے ہی مجھے پتا چلا کہ ہمارا وہ سارا پروگرام ناکام ہو گیا ہے۔ والدہ کا بازو ٹوٹ چکا ہے اور وہ ہسپتال میں داخل ہے، میں بھاگتا ہوا وہاں پہنچا تو تقریب میں شمولیت اختیار کرنے والے اکثر لوگ وہاں موجود تھے اور مجھے حقارت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، میں کسی چیز کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتے ہوئے والدہ کے قریب پہنچا، پاس ہی ابو جان بیٹھے ہوئے رو رہے تھے، والدہ بڑی قابلِ رحم حالت میں زخموں سے چور پڑی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر میرا سویا ہوا ضمیر بیدار ہوا، میں والدہ کے پاؤں پڑ گیا، پاؤں چومنے لگا، میری والدہ نے کہا: بیٹا! سر اٹھاؤ، میں تمھارے سر کو چومنا چاہتی ہوں، ماں سر کو چومنے لگی، میری تمنا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ والدہ کو صحت عطا فرما دے تو میں سابقہ جرائم کی تلافی کروں گا اور آیندہ والدہ کی خدمت میں

زندگی بسر کروں گا، مگر افسوس! یہ آخری وقت تھا، والدہ نے ہاتھ اوپر اٹھایا کلمہ پڑھا اور دار فانی کو چھوڑ کر دار البقا کی طرف روانہ ہوگئی، میں تمام حسرتیں دل میں لیے رونے لگا اور ساتھ ہی سابقہ زندگی کا طرز عمل آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا کہ والدہ نے زندگی مصائب اور تکالیف میں گزار دی۔ کفن و دفن سے فارغ ہو کر گھر لوٹے تو تعزیت کرنے والوں کے پاس والد محترم بیٹھتے۔ میں کمرے میں بند ہو کر مسلسل رونے میں مشغول تھا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کر رہا تھا: اے اللہ! مجھے معاف فرما دے اللہ! میری والدہ کو بخش دے، اس پر رحم فرما! اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ بقیہ زندگی والد کو پریشان نہیں کروں گا، ان کی خدمت کروں گا، ان کو آرام پہنچاؤں گا اور زندگی کے ہر لمحے میں والدہ کی بخشش کی دعا اللہ سے کرتا رہوں گا۔

یہ وہ نوجوان ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اپنی آغوش میں لے لیا، اس کو توبہ کی توفیق عطا فرما دی، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا ہی ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔'' اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو والدین کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باپ اور بیٹا عدالت میں...؟

اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، بشرطیکہ وہ نیک ہو اور اس کی تربیت صحیح نہج پر کی گئی ہو، ایسی اولاد بڑھاپے میں، بہت بڑا سہارا ہوتا ہے اور زندگی کے آخری ایام بڑے سکون سے گزر جاتے ہیں، لیکن اگر اولاد کی تربیت کا معاملہ برعکس ہو تو بوڑھے والدین کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے، درج ذیل سطروں میں کچھ اس طرح کا معاملہ ہی بیان ہونے والا ہے۔ دونوں میاں بیوی جوانی کی منزلیں طے کرتے ہوئے ہنسی خوشی وقت گزار کر بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تین بیٹیاں اور ایک بیٹا عطا کیا۔ ایک اچھا خاصا عالی شان دو منزلہ مکان بھی اللہ تعالیٰ نے دے رکھا تھا۔ بیٹیاں جوان ہوئیں تو سب کی شادی کر دی گئی۔ بیٹا اکلوتا تھا، بڑے پیار اور محبت سے اس کی پرورش کی گئی تھی، والدین اسی کے سہارے زندہ تھے اور اس سے توقعات وابستہ کیے ہوئے تھے، وہ سرکاری ملازم تھا اور اس کی اچھی خاصی تنخواہ ملتی تھی۔

بیٹیوں کی جب سے شادی ہوئی، کسی خاص موقع کے علاوہ انھوں نے کبھی والدین کی طرف توجہ ہی نہ کی، ان کی ضروریات زندگی اور صحت کے متعلق کبھی دریافت ہی نہ کیا، حالانکہ یہ ان کا اخلاقی اور شرعی فریضہ تھا۔ دوسری طرف بیٹا جس کے ذمے والدین کی کفالت تھی، اس کی یہ حالت تھی کہ والدین کو ایک چھوٹے سے کمرے میں رہنے پر مجبور کیا ہوا تھا اور دو منزلہ مکان پر اکیلا قابض

ہو گیا تھا۔ وہ یہ کہتا کہ میں اکیلا ہی اس کا مالک ہوں، آپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ بیچارے بوڑھے اس کمرے میں وقت گزار رہے تھے۔ ایک دن دونوں نے سوچا کہ بیٹا تو ہمارے واجبات ادا نہیں کرتا، لہٰذا اسے کہا جائے کہ نیچے والی منزل ہمارے لیے خالی کر دو، ہم کرائے پر دے کر اپنی گزر اوقات کر لیں گے۔

صبح کے وقت باپ نے ہمت کر کے بیٹے کے کمرے کے دروازے پر دستک دی، مگر دروازہ نہ کھلا۔ واپس ہوا تو اچانک دیکھا کہ بہو کھڑکی میں پردے کے پیچھے بے پروا ہو کر یہ سارا منظر دیکھ رہی ہے۔ اگلے دن بیٹے سے بات چیت ہوئی تو بیٹا اس بات پر راضی نہ ہوا۔ وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں کل آپ کو پانچ سو دینار دوں گا۔ اس کے جانے کے بعد اس کی بیوی دونوں کے پاس آئی اور پچاس دینار دے کر کہنے لگی، میرے خاوند کو اس کی اطلاع نہ ہو، یہ میں اپنے خاص جیب خرچ سے دے رہی ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ اس کے پاس اتنی رقم نہیں، جس کا وہ وعدہ کر کے گیا ہے۔ اگلے دن بیٹا آیا اور پچاس دینار والد کو دیے، مگر والد نے انکار کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ گھر ہمارے لیے خالی کیا جائے۔ بیٹے نے بھی صاف کہہ دیا، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ ساری باتیں بہو سن رہی تھی، اس نے بھی اپنا رویہ تبدیل کر لیا، وہ ان کے لیے طرح طرح کی مشکلات پیدا کرنے لگی، جس سے ان کا جینا مشکل ہوتا جا رہا تھا اور بیٹے کا انداز بھی ایسا جارحانہ تھا کہ اس طرح کے قبیح عمل کے متعلق باپ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بیٹا یہ سب کام صرف اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے کر رہا تھا۔ بیٹے نے دھمکی لگا دی کہ اگر دوبارہ مطالبہ کیا تو تمھیں گھر ہی سے نکال دوں گا اور جان سے مار دوں گا۔

ایسی صورتِ حال میں اس بزرگ کے لیے ایک ہی راستہ تھا کہ پولیس کو بلا کر دفاع حاصل کرے۔ اس نے اپنے بیٹے کے خلاف درخواست جمع کروا دی، ابھی تحقیق کا مرحلہ جاری تھا کہ باپ بیمار ہوا، چند دن ہسپتال میں رہا اور فوت ہو گیا۔

اب بوڑھی والدہ اپنی بیٹیوں سمیت اپنے نافرمان و ظالم بیٹے کے خلاف عدالت میں حاضر ہوئی، تاکہ انھیں اپنے مکان میں رہایش مل سکے، جس سے انھیں نکال دیا گیا تھا۔ یہ وہی مکان تھا، جس میں اس نے اپنے خاوند کے ساتھ زندگی گزاری تھی، ایسے مکان میں دوبارہ آنا تو نصیب ہوا، مگر خاوند کے بغیر، کیونکہ اب وہ فوت ہو چکا تھا، آخر ایسا کیوں ہوا؟ یہ دونوں کی بے جا شفقت کا نتیجہ تھا کہ بیٹے کی اچھی تربیت نہ کی اور پھر شادی کے موقع پر اچھی بہو کا انتخاب نہ کیا، جس نے ان کا جینا حرام کر دیا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ماں کے مدِ مقابل بیٹا عدالت میں کھڑا ہے یہ منظر دیکھ کر ماں شرم کے مارے دل ہی دل میں یہ سوچ رہی تھی، کاش زمین مجھے نگل لے اور یہ قبیح منظر میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکوں۔ یہ وہی بیٹا ہے، جس کے لیے میں ساری زندگی صَرف کر دی، اس کے آرام کے لیے اپنا آرام قربان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے۔ آمین[1]

[1] جريدة الهدف العدد [1830] بتصرف.

بیٹیوں کو وراثت سے محروم رکھنے والا باپ

ایک پڑھا لکھا انسان جس کی عمر ستر سال سے تجاوز کر چکی ہے اور وہ ایک بیماری کے وجہ سے چلنے پھرنے کے قابل نہیں۔ وہ اپنی داستان کا آغاز ان الفاظ سے کرتا ہے:

میں بہت زیادہ غنی اور مال دار تھا، بہت سی زمین، دکانات اور مکانات کا مالک تھا اور وہ بھی سعودی عرب کے دار الخلافہ ریاض میں۔ میری ماہانہ آمدنی تقریباً ڈیڑھ لاکھ ریال بنتی تھی۔ میرے چار بیٹے اور آٹھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹے اور بیٹیاں سب شادی شدہ تھے۔ ایک دن چاروں بیٹے جمع ہو کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہماری بہنیں اپنا اپنا حصہ لے جائیں گی تو ہمیں صرف آدھی جائیداد ملے گی، جب کہ آدھی وہ لے جائیں گی، دولت فقرا کے پاس چلی جائے گی۔ شیطان نے اپنا کام دکھایا، بیٹوں نے اس رائے کو میرے سامنے بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا، انھوں نے یہ بات میرے ذہن میں ڈال دی کہ بڑھاپے میں ہم ہی تو آپ کا سہارا بنیں گے، جب کہ بیٹیاں تو اپنے گھروں میں خاوند اور اولاد کی خدمت میں مصروفِ عمل ہوں گی۔

میں نے ساری جائیداد بیٹوں کے نام لگوا دی اور آٹھ بیٹیوں کو اپنی وراثت سے محروم کر دیا، جس کے نتیجے میں کچھ بیٹیاں مستقل طور پر ناراض ہو گئیں اور انھوں نے مجھ سے بالکل تعلق توڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہمیشہ غالب

آتی ہے۔ اسی سال میرا ایکسیڈنٹ ہوا، جس میں مَیں ایسا زخمی ہوا کہ چلنے پھرنے سے عاجز اور دوسروں پر بوجھ بن گیا۔

یہ منظر دیکھ کر میرے چاروں بیٹے مجھے چھوڑ گئے، کوئی بھی اس بوجھ کو اپنے گھر رکھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا، تین بیٹیاں ملنے کے لیے آتیں، جب کہ پانچ تو پہلے ہی چھوڑ چکی تھیں۔

میں نے بڑی بیٹی سے کہا کہ مجھے اپنے گھر لے چلو، اس پر وہ کہنے لگی کہ میں سکول پڑھاتی ہوں، آدھا دن سکول میں گزر جاتا ہے اور باقی آدھا دروس کی تیاری، اولاد اور خاوند کی خدمت میں، آپ کے لیے میرے پاس ٹائم نہیں۔

دوسری بیٹی کہنے لگی: چند ماہ قبل میرے ہاں جڑواں بیٹے ہوئے ہیں، جن کی دیکھ بھال میں مصروفیت کی وجہ سے آپ کا بوجھ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری جو سب سے چھوٹی تھی، بڑی خوش دلی سے مجھے اپنے ساتھ لے گئی، حالاں کہ مجھے ایسی توقع نہیں تھی۔ وہ لوگ میری ہر ضرورت پوری کرتے اور ہر ممکن میری خدمت بجالاتے تھے، مگر بیٹی کے گھر رہنا مجھے باعثِ عار محسوس ہوتا تھا۔ میری پریشانی اور تکلیف میں اور اضافہ ہو جاتا، جب مجھے یہ بات یاد آتی کہ میں نے اپنی بیٹیوں پر ظلم کیا اور شریعت کی مخالفت کی ہے۔

اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ دین کا تو صرف نام کی حد تک علم تھا اور نماز بھی شاید کبھی پڑھنا نصیب ہوتی تھی۔ ایک دن میں نے بھتیجے (داماد) کو کہا کہ مجھے بیٹوں کے پاس لے چلو، میں ان سے مالی تعاون لینا چاہتا ہوں، وہ تو صرف مجھے اپنے گھروں میں رکھنے سے نفرت کرتے ہیں، مالی تعاون تو ضرور کریں گے اور یہ مال بھی تو میں نے ہی ان کو دیا ہے۔ بھتیجا اس ڈر سے راضی نہ ہوا کہ کہیں

مجھے ناکام واپس نہ لوٹنا پڑے، مگر جب اصرار غالب ہوا تو وہ مجھے بیٹوں کے پاس چھوڑ گیا۔

سب سے پہلے میں بڑے بیٹے کے پاس گیا اور کہا کہ بیٹا! مجھے کچھ مال دے دو، تاکہ میں ایک نوکر رکھ لوں، جو میری خدمت کیا کرے اور میں بیٹی کا گھر چھوڑ دوں، مگر اس نے کہا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں، بڑی مشکل سے اپنا کام چلا رہا ہوں۔

بڑے بیٹے کا نافرمانی والا انداز دیکھ کر میں اس سے چھوٹے کے پاس آیا، اس سے مطالبہ کیا تو اس نے بھی پہلے جیسا سلوک کیا اور کہنے لگا: میں نے تو وہ گھر جو آپ نے دیا ہے، اپنے بیٹوں کے نام لگوا دیا ہے اور یہ بہت اچھی سوچ ہے کہ بچے جوان ہوں تو ان کو کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

پھر میں تیسرے کے پاس گیا، اس نے پہلے دو کی طرح عذر پیش کیا کہ ساری جائیداد قرض ادا کرنے میں صَرف کر دی ہے، جو حق مہر کی صورت میں اس کے ذمے تھا، لہٰذا اب میرے پاس آپ کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔

میں ناکام و نامراد چوتھے بیٹے کے پاس آیا، جو سب سے چھوٹا اور پیارا بھی تھا، اس سے تو اچھے سلوک کی امید تھی، لیکن افسوس! وہ بھی ویسا ہی ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان برحق ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [التغابن:14]

''ایمان والو! تمھاری (بعض) اولادیں اور (بعض) بیویاں تمھارے

دشمن ہیں، ان سے بچ کے رہو اور اگر تم درگزر کرو اور معاف کرو، تو وہ تمھارے لیے بہتر ہے۔''

میں ناکام و نامراد پریشانی اور ندامت سے جھکا ہوا سر لے کر دوبارہ اپنے بھتیجے کے پاس چلا گیا، وہ پہلے کی طرح میرے ساتھ بڑے حسنِ سلوک سے پیش آیا۔

اس واقعے میں ہر انسان کے لیے عبرت و نصیحت ہے کہ اولاد میں انصاف ضروری ہے، بچیوں کو وراثت سے محروم کرنے کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں تو ملنی ہی ملنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے شر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

مجھے ضروری کام ہے...؟

یہ اصل میں ایک ایسے بیٹے کی داستان ہے، جو اپنی والدہ کے دفن میں اس لیے شریک نہ ہوا کہ میں نے ایک پارٹی کو وقت دیا ہوا ہے۔ یہ ایک بہترین چانس ہے جس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے، ایسے مصروف ترین لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں، آیئے! ہم آپ کو ایک ایسی ہی داستان سنانا چاہتے ہیں۔

ایک معتبر دوست کا بیان ہے کہ ہمارے پڑوس میں کئی سالوں سے ایک گھر آباد تھا، جن کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت اچھے تھے۔ میری والدہ اکثر ان کے گھر خواتین کو ملنے چلی جاتی تھیں، خصوصاً اس نوجوان کی والدہ کو ملنے کے لیے جایا کرتی تھی، اس لیے کہ وہ بیمار رہتی تھی، اس کی تیمار داری کرتی اور مصائب کو برداشت کرنے کی تلقین کرتی۔ اس کے خاوند نے اس کی بیماری و لاغری کی وجہ سے ایک دوشیزہ سے نکاح کر لیا اور وہ دوشیزہ بھی اس سے کوئی اچھا سلوک نہیں کرتی تھی، اس کے ساتھ ساتھ خاوند کا رویہ بھی بہت حد تک تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ میری والدہ اسے حوصلہ دیتی اور خاوند کے اس سلوک پر صبر کی تلقین کرتی تھی، جس سے اسے کچھ راحت مل جایا کرتی تھی۔

بیوی بسترِ مرگ پر تھی کہ اچانک خاوند فوت ہو گیا، اس کے کفن و دفن میں شراکت ہمارا حق تھا، اس لیے کہ پڑوسی کے اسلام میں بہت سے حقوق ہیں۔

والد کی وفات کے چند ہی دنوں بعد یہ نوجوان وافر دولت، عالی شان قسم کی

گاڑیاں اور نہایت ہی عمدہ لباس استعمال کرنے لگا، ایک بہت بڑی کمپنی کا مالک بن گیا، بڑے اونچے اونچے لوگوں سے روابط قائم ہو گئے۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر میں پریشان ہو رہا تھا کہ اچانک دولت کا آ جانا اس نوجوان کی خرابی و بربادی کا ذریعہ نہ بن جائے، جیسا کہ معاشرے میں عام طور پر ہوتا ہے۔ یہ خطرہ حقیقت بن کر سامنے آیا۔ سر سے پاؤں تک یہ نوجوان دنیاوی لذتوں اور گناہوں میں ڈوب گیا۔ فضول خرچی اس کا معمول بن چکی تھی، اس نے شراب اور دیگر نشہ آور اشیا کا استعمال شروع کر دیا اور جُوا بھی کھیلنے لگا۔ وہ گناہوں میں اس قدر آگے نکل گیا کہ شادی کی ضرورت ہی محسوس نہ کی، دنیاوی زیب و زینت میں اتنا مصروف کہ جیسے یہی سب کچھ ہے یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوگا۔ نصیحت سننا اس کے لیے سب سے ناگوار عمل تھا اور اگر کوئی غلطی سے اسے کچھ کہہ بھی دیتا تو وہ اور زیادہ بغاوت پہ اتر آتا تھا۔ بوڑھی والدہ کے ساتھ بھی اس کا رویہ بڑا ہی سخت تھا۔ وہ بیچاری سوائے شکوہ و شکایت کے کر بھی کیا سکتی تھی۔ میری والدہ اسے یہ کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کرتی کہ ایک نہ ایک دن اللہ اسے ہدایت دے ہی دے گا۔

چار سال کا عرصہ گزر گیا، مگر یہ نوجوان اپنی اسی روش پر بہ دستور ڈٹا ہوا تھا۔ دوسری طرف والدہ کی بیماری میں دن بہ دن اضافہ ہوتا رہا۔ والدہ نے خواہش کا اظہار کیا کہ بیٹے اللہ تعالیٰ نے مال کی فراوانی کر دی ہے، لہٰذا میں حج کرنا چاہتی ہوں، لیکن بیٹے نے انکار کر دیا اور عمرے کی بھی اجازت نہ دی، اس پر وہ بیچاری خاموش ہوگئی اور دل میں امید کی ایک ہی کرن باقی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے پر قادر ہے۔ آخر وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ والدہ بیماری کے

ایام گزارتی ہوئی فوت ہوگئی، مگر اس نوجوان کی سختی اور بدبختی کا یہ عالم ہو چکا تھا کہ والدہ کی وفات کی خبر سن کر بھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے، یہ خبر اس کے لیے ایک عام انسان کی وفات کی خبر سے زیادہ کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ غسل وکفن کے معاملات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے اور جنازہ قبرستان کی طرف روانہ ہوا، یہ جنازے میں شریک رہا، جب دفن کی باری آئی تو یہ کہہ کر چلا گیا کہ آپ یہ کام کریں۔ مجھے ایک ضروری کام ہے۔ میں نے ایک پارٹی کو وقت دیا ہوا ہے، میں اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ یہ بڑا عظیم اور سنہری موقع ہے، جسے ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرے دل سے دعائیں نکل رہی تھیں کہ اس کی شقاوت یہاں تک پہنچ چکی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی معافی کے اسباب پیدا فرما دے، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ یہ نوجوان واپس آتے ہوئے حادثے کا شکار ہوگیا۔ میں ہسپتال پہنچا تو وہ آخری سانس لے رہا تھا، جس کے پاس والدہ کا جنازہ پڑھنے اور دفن میں شرکت کی فرصت نہیں تھی، بسترِ مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ سارے سنہری موقعے ضائع ہو چکے تھے، رات کے وقت اسے موت آگئی اور اگلے دن اسے دفن کر دیا گیا اور اس کی قبر بھی اس کی والدہ کے ساتھ ہی بنائی گئی، دونوں ماں بیٹا اپنی اپنی قبروں میں پڑے تھے، ایسے واقعات ہر مسلمان کے لیے باعثِ عبرت ہیں۔[1]

---

[1] جريدة الهدف العدد [1892]

سگرٹ نوشی کی سزا

عبداللہ ایک خوبصورت نوجوان تھا، بھرا ہوا جسم، نہایت چست و چالاک۔ وہ تیراکی کا بڑا ماہر اور دسویں کلاس کا طالب علم تھا۔ ایک روز وہ اپنے والد محترم کو ملنے کے لیے حاضر ہوا تو وہاں چچا بھی موجود تھا۔ عبداللہ نیچے جھکا تاکہ اس کا والد اور چچا اس کا بوسہ لے سکے تو اس کی جیب سے لائٹر نیچے گر گیا۔ باپ یہ منظر دیکھ کر خاموش رہا، رات کے وقت باپ نے پوچھا: عبداللہ! تم سگرٹ پیتے ہو؟

عبداللہ: نہیں، میں سگرٹ نہیں پیتا، یہ لائٹر میرے دوست کا ہے۔

باپ: عبداللہ تم سگرٹ پیتے ہو اور اگر یہ لائٹر تیرے دوست کا ہے تو تیری جیب میں کیوں ہے؟

عبداللہ آواز بلند کرتے ہوئے، بولا: میں سگرٹ نہیں پیتا، میں نے کہہ دیا ہے۔

باپ: عبداللہ اگر تو سگرٹ پیتا ہے تو اللہ تیری گردن توڑ دے۔

عبداللہ ہنستے ہوئے، بولا: اگر گردن ٹوٹتی ہے تو ٹوٹ جائے۔

اس ساری گفتگو کے بعد عبداللہ اپنے بستر پر لیٹ گیا اور مزے کی نیند سو گیا۔ صبح نماز فجر کے لیے باپ نے عبداللہ کو بیدار کیا تو عبداللہ اس انتظار میں تھا کہ ابو مسجد جائیں اور میں پھر سو جاؤں۔ ایسے ہی ہوا، باپ کے جانے کے بعد عبداللہ پھر سو گیا۔ عبداللہ بہت لیٹ اٹھا، سکول کی تیاری کی اور سکول روانہ ہو گیا، امتحانات قریب ہونے کی وجہ سے سکول میں حاضری کی زیادہ پابندی نہیں تھی۔ عبداللہ نے وقت کو غنیمت جانتے ہوئے دوستوں سمیت پروگرام بنایا کہ ساحل

سمندر پر چلتے ہیں اور وہاں پانی کے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں، نیز وہاں تیراکی بھی کریں گے۔ پروگرام طے ہوا تو چھوٹا بھائی ہیثم بھی تیار ہو گیا، مگر عبداللہ اسے ساتھ لے جانے کے لیے تیار نہیں تھا کہ کہیں اسے بھاگنے کی عادت نہ پڑ جائے، مگر ہیثم نے عبداللہ کو دھمکی لگا دی۔ اگر مجھے ساتھ نہ لے جاؤ گے تو میں ابو کو بتا دوں گا کہ عبداللہ سگرٹ نوشی کرتا ہے، آخر عبداللہ ہیثم کو ساتھ لے جانے پر راضی ہو گیا۔ سمندر پر پہنچے تو لہریں اپنے پورے جوبن پر تھیں۔ یہ دیکھ کر کہیں اور جانے کا پروگرام بننے لگا۔ آخر وہ ایک تالاب میں نہانے کے ارادے سے پہنچے تو دروازہ بند تھا، وہ دیوار پھلانگ کر اندر چلے گئے۔ سب نے نہانا شروع کیا، ہر کوئی اپنی مہارت کے مطابق پانی میں تیرنے لگا، کافی دیر تک پانی میں نیچے رہنے کے بعد اوپر آ جاتے تھے، یہ تالاب کافی گہرا تھا۔ عبداللہ نے سر کے بل پانی میں چھلانگ لگائی، سر جا کر سطح سے ٹکرایا، جس سے ایک آواز پیدا ہوئی، یہ آواز اصل میں عبداللہ کی گردن کے ٹوٹنے کی تھی، افسوس! کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی!!

عبداللہ پانی میں بے حس و حرکت پڑا تھا، اس کے ناک سے خون بہنے لگا اور اسے والد کی بد دعا یاد آنے لگی۔ میرے بالکل قریب میرا ایک دوست تھا، اس کی نظر نہ پڑی اور میں اسے بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ بات ذہن میں بار بار آ رہی تھی کہ کسی دوست یا میرے بھائی ہیثم کی نظر پڑ جائے، مگر سارے اسباب ناکام ہوتے نظر آ رہے تھے، زندگی کا گزرا ہوا زمانہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ مجھے یاد آیا کہ ایک بوڑھی عورت کو میں پیسے دیا کرتا تھا اور وہ ہاتھ اٹھائے دعا کرتی تھی۔ یہ صدقہ زیادہ مقدار میں نہیں، بلکہ چند روپوں پر مشتمل تھا۔ مجھے یہ بھی یاد آیا کہ میری والدہ کو خواب آیا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ عبداللہ اٹھارہ سال کی عمر میں پہنچ کر فوت ہو جائے گا۔ میں اس وقت ابھی بہت چھوٹا تھا، اس واقعے

سے دو دن پہلے ہی والدہ کہہ رہی تھی: اللہ کا شکر ہے کہ عبداللہ کی عمر اٹھارہ سال سے زائد ہو گئی ہے اور عبداللہ ابھی زندہ ہے۔ مجھے نبی کریم ﷺ کا فرمان بھی یاد آیا:

«مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»[1]

''جس بندے کی زبان پر مرتے وقت کلمہ جاری ہو گیا، وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔''

تقریباً پندرہ منٹ میں پانی میں رہا، اس دوران میں ایک دوست نے ہیثم کو مخاطب کیا کہ عبداللہ نے چھلانگ تو لگائی ہے لیکن وہ باہر نہیں آیا۔ ہیثم کہنے لگا اس کا بڑا تجربہ ہے وہ بڑی دیر کے بعد اوپر آ جایا کرتا ہے۔ آخر ہیثم نے پانی میں چھلانگ لگائی تو عبداللہ پانی میں پڑا ہوا تھا۔ ہیثم مجھے باہر لے آیا۔ میں اس وقت تک بے ہوش ہو چکا تھا، مجھے پیٹ کے بل لٹا دیا گیا، میرے سینے کو دبایا گیا اور منہ میں پھونکیں ماری گئیں، کچھ دیر بعد مجھے ہوش آ گیا۔ گردن تو ٹوٹ چکی تھی۔ دوست مجھے ہسپتال لے گئے۔

میں نے اپنے ایک دوست کو کہا کہ میرے والد سے رابطہ کر کے سارا معاملہ بتا دو اور سنو اس کی خبر میری والدہ کو نہ ہونے پائے۔ میرا علاج جاری تھا، حالت کافی بہتر ہونے لگی۔ عبداللہ نے بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی اور اللہ کے سامنے مستقل طور پر جھکنے کا وعدہ کر لیا، اگرچہ عبداللہ زخمی ہو چکا تھا اور اس کا جسم ناکارہ ہو چکا تھا، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ حسنِ ظن رکھتا تھا کہ اس نے ایک خاص موقع فراہم کر دیا ہے۔ اب اس کا اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسے میں بہت زیادہ اضافہ اور اسے اس کا قرب حاصل ہو چکا تھا۔[2]

---

[1] سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في التلقين، رقم الحديث [3116]

[2] مقابلة معه مجلة نون، وهي مجلة عليها ملاحظات عديدة... وقناة المجلد.